رجسٹرڈ نمبر اے ۴۰۱۱

نگار

قیمت ۱ روپیہ

نرخنامہ اُجرت اشتہار

ایک سال	۶ ماہ	۳ ماہ	ایک ماہ
ایک صفحہ ۔ ۱۰۰ روپیہ	۵۰ روپیہ	۲۵ روپیہ	۱۰ روپیہ
آدھ صفحہ ۔ ۵۰ "	۲۵ "	۱۳ "	۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ ۲۵ "	۱۳ "	۷ "	۴ روپیہ

اُردو شاعری

یعنی جنوری ۳۵ء کا نگار جس میں اُردو شاعری کی تاریخ، اسکی عہد بعہد ترقی اور ہر زمانہ کے شعراء پر بسیط نقد و تبصرہ کیا گیا ہے مع انتخاب کلام، اس کی موجودگی میں آپ کو کسی اور تذکرہ دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور جس میں سات مضامین اڈیٹر نگار کے لکھے ہوئے ہیں۔ حجم ۲۵۶ صفحات۔ قیمت عہ علاوہ محصول

ہندی شاعری

یعنی جنوری ۳۶ء کا نگار جس میں ہندی شاعری کی تاریخ اور تمام ادوار کا بسیط تذکرہ موجود ہے اس میں تمام مشہور ہندو شعراء کلام کا انتخاب مع ترجمہ کے درج ہے۔ ہندی شاعری کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ مقصود ہو تو اُردو میں آپ کے لئے صرف یہی ایک مجموعہ کافی ہے۔ قیمت علاوہ محصول ۸

تصانیف نیاز فتحپوری

نگارستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ نگارستان نے ملک میں جو درجۂ قبول حاصل کیا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔

قیمت دو روپیہ (عہ) علاوہ محصول۔

جمالستان

اڈیٹر نگار کے مقالات ادبی کا دوسرا مجموعہ جس میں ۳۲ افسانے ۳۳ء تک کے درج ہیں۔ زبان، قدرت بیان، علوئے تخیل اور پاکیزگی خیال کے بہترین شاہکار کے علاوہ بہت سے اجتماعی و معاشری مسائل کا حل بھی آپ کو اس مجموعہ میں نظر آئے گا۔ ہر افسانہ اور ہر مقالہ اپنی اپنی جگہ معجزۂ ادب کی حیثیت رکھتا ہے۔

قیمت چار روپیہ (للعہ) علاوہ محصول۔

خریداران نگار سے ایک روپیہ کم

مکتوبات نیاز

اڈیٹر نگار کے تمام وہ خطوط جو نگار میں شائع ہوئے ہیں نیز وہ جو شائع نہیں ہوئے۔ جذبات نگاری، اور سلاست بیان، رنگینی اور البیلے پن کے لحاظ سے فنِ انشاء میں یہ بالکل پہلی چیز ہے جس کے سامنے خطوط غالب بھی پھیکے معلوم ہوتے ہیں مع تصویر حضرت نیاز ۲۸ پونڈ کے کاغذ پر مجلد شائع ہوئی ہے۔

قیمت دو روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول۔

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اُردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس کی زبان اس کی تخئیل اس کی نزاکت بیان اس کی بلندی مضمون اور اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچتی ہے۔

قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول۔

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

رسالہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ تک شایع ہوجاتا ہے
رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں ۲۵ تاریخ تک دفتر میں اطلاع ہونی چاہئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ ہوگا
سالانہ قیمت پانچ روپیہ (صہ) ششماہی تین روپیہ (عہ)
بیرون ہند سے بارہ شلنگ آٹھ روپیہ (سعہ) سالانہ پیشگی مقرر ہے

جلد (۳۱)	فہرست مضامین جنوری ۱۹۳۷ء	شمار (۱)

ڈراما اصحاب کہف ---------- ۵
مسئلہ خلافت و امامت ---------- ۴۹
سائنس کے بعض دلچسپ معلومات ---------- ۹۷
آسکر وائلڈ کے خطوط ---------- ۱۲۱
نادرات ---------- ۱۳۸

اصحاب کہف

پانچ ایکٹ کا حُزنیہ ڈراما

یہ ڈراما ایک مصری انشا پرداز "توفیق الحکیم" کی کتاب "اہل الکہف" سے اخذ و اقتباس کیا گیا ہے۔ جس میں فاضل مصنف نے نہایت لطیف انداز سے یہ ظاہر کیا ہے کہ "اصحاب کہف" کے متعلق جو روایت مذہبی صحایف میں پائی جاتی ہے وہ حقیقت نہیں ہے بلکہ صرف بیان و تمثیل ہے اور دنیا کی بعض صنم پرست اقوام کے صنمانی لٹریچر میں بھی اس قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ موضوع محبت پر مصنف نے جس بلند تخیل کو صرف کیا ہے وہ مصنف کی بالکل ذاتی چیز ہے اور اس کی جتنی بھی داد دیجائے کم ہے۔

یہ کتاب حاجی شیخ نبی احمد صاحب (بریلوی) کا ہدیہ تھا جو زیارت حرمین سے واپس آنے کے بعد انھوں نے مجھے مرحمت فرمایا تھا — حاجی صاحب شکریہ قبول فرمائیں۔

نیاز

ڈراما اصحاب کہف

پہلا ایکٹ

(رقیم کا غار، جس کی تاریکی میں سوائے دو انشاقی سایوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ دونوں اگڑو بیٹھے ہوئے ہیں اور پاس ہی ایک کتا اپنے ہاتھ آگے کی طرف پھیلائے ہوئے لیٹا ہوا ہے)

مشلینا:— مرنوشں، مرنوشں!

مرنوشں:— ہائیں، تم جاگ گئے، کیا کہتے ہو؟

مشلینا:— تم ہو کہاں؟ تمھاری آواز تو سنائی دیتی ہے لیکن تم نظر نہیں آتے — آہ، میری پیٹھ بہت دُکھ رہی ہے۔

مرنوش:— میری پسلیاں خود پھوڑا ہو کر رہگئی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے برسوں سوتے ہوئے گزر گئے ہیں۔

مشلینا:— چرواہا کہاں ہے؟ — وہی ہمارا تیسرا ساتھی

مرنوش:— اس کے کتے کا سایہ تو نظر آرہا ہے۔

مشلینا:— مگر وہ خود کہاں ہے؟

مرنوش:— شاید غار کے دہانہ پر چرواہوں کی طرح طلوع آفتاب کو دیکھ رہا ہوگا

مشلینا:— آہ، میری پیٹھ بہت دُکھ رہی ہے — اے مرنوش ہم یہاں کب سے ہیں

مرنوش:— اونہہ، ہوگا — تم اور اپنے سوالوں سے میرا سینہ پکائے دیتے رہے ہو

مشلینا:— اور تمھیں میرے سینہ کی خبر نہیں کہ اسکا کیا حال ہے۔ اے مرنوش، سچ بتا ہم یہاں کب سے ہیں؟

مرنوش :۔ یہی کوئی ڈیڑھ دو دن ہوئے ہوں گے

مشلینا :۔ یہ تمھیں کیونکر معلوم ہوا ؟

مرنوش :۔ کیونکر معلوم ہوا۔ اِتو کیا اس سے زیادہ کوئی سو بھی سکتا ہے ؟

مشلینا :۔ سچ کہتے ہو (خاموش ہو جاتا ہے، پھر تھوڑی دیر بعد گھبرا کر) میں تو اب یہاں سے باہر نکلتا ہوں۔

مرنوش :۔ اور جاؤ گے کہاں ؟

مشلینا :۔ کہاں ؟ خوب، تو کیا تمھارا ارادہ ایک رات اور یہاں رہنے کا ہے۔

مرنوش :۔ ایک رات، دو رات، تین رات۔ اور اس سے زیادہ جب تک دقیانوس کی طرف سے ہم کو اپنی جان کا اطمینان نہ ہو جائے۔

مشلینا :۔ مجھ سے تو اب یہاں نہیں ٹھہرا جاتا۔

مرنوش :۔ اور مجھ سے ٹھہرا جاتا ہے، جو اپنے بیوی بچوں پر دم دیتا ہے۔

مشلینا :۔ بیشک، ان کے لئے تمھیں اپنی زندگی عزیز ہونا چاہئے۔

مرنوش :۔ اور تم ۔۔ ؟ ۔ کیا تمھیں کسی کے خاطر جینے کی تمنا نہیں ہے

مشلینا :۔ آہ، یہی وہ چیز ہے جو مجھے یہاں اب ایک لمحہ نہیں ٹھہرنے دیتی، اور اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ چلو،

مرنوش :۔ مشلینا، کچھ پاگل ہو گئے ہو ؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ سولی ابھی تک جوں کی توں قائم ہے۔

(ایک اور سایہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے)

مشلینا :۔ یہ کون ہے

آنے والا :۔ اے آقا، میں ہوں، چرواہا

مشلینا :۔ تم کہاں تھے ؟

چرواہا :۔ تھا کہاں، دروازہ سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈھ رہا تھا مگر وہ ملا ہی نہیں،

مشلینا :۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ اور بتاؤ کہ جب سے تم ہمیں یہاں غار میں لائے ہو، تم نے ہم سے کوئی بات ہی نہیں کی اس کا کیا سبب ہے ؟

مرنوش :۔ اے چرواہے، تیرا نام کیا ہے ؟

چرواہا :۔ اے آقا میرا نام یملیخا ہے

مشلینا :۔ تم کیوں ہمیشہ آقا کے لفظ سے ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہو

یملیخا :۔ سلطنت کے وزیروں کو اور کس لفظ سے مخاطب کروں۔

مرنوش :۔ (حیرت سے) تم سے کس نے کہا کہ ہم لوگ وزیر ہیں
یملیخا :۔ کیا حکومت کے وزیروں کو بھی کوئی نہیں پہچان سکتا
مشلینا :۔ اس سے پہلے تم نے ہمیں کبھی دیکھا تھا ؟
یملیخا :۔ بارہا۔
مرنوش :۔ کہاں ؟
یملیخا :۔ شہر طرطوس میں اور اس میدان میں جہاں درندوں کی لڑائی کا کھیل ہوتا ہے، آپ دونوں بادشاہ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ اشارہ سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو یہ مشلینا ہے اور وہ مرنوش
مشلینا :۔ کیا تم نے ہم کو اس وقت پہچان لیا تھا جب ہم تم سے کوئی پناہ کی جگہ پوچھ رہے تھے۔
یملیخا :۔ نہیں، پہلے تو مجھے اس کا علم نہیں ہوا، لیکن جب میں نے آپ میں سے ایک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اے مرنوش جلدی جلدی بھاگ چلو وہ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں"، تو میں سمجھ گیا کہ آپ لوگ کون ہیں اور میں اپنی بھیڑ بکریاں چھوڑ کر آپ کو اس غار میں لے آیا
مشلینا :۔ "افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے تم کو اپنی بھیڑ بکریاں چھوڑنا پڑیں"
یملیخا :۔ "نہیں، کوئی فکر کی بات نہیں، وہ مزہ سے چر رہی ہوں گی اور انکو کسی نے نہ چھیڑا ہوگا کیونکہ یہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کسی مسیحی کی ہیں،
مرنوش :۔ تو کیا تم بھی اپنا دین چھپائے ہوئے ہو
یملیخا :۔ "ہاں، اے آقا
مشلینا :۔ یملیخا، یہ آقا کا لفظ میرے کانوں کو بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ ہم سب مسیحی ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ آقا و غلام کیسا،
مرنوش :۔ یملیخا، کیا تمہارے بیوی بچے بھی ہیں ؟
یملیخا :۔ سوائے قطمیر کے میرا کوئی نہیں
مشلینا :۔ "قطمیر، کون ؟
یملیخا :۔ (کتے کی طرف اشارہ کرکے)۔ یہ ۔ (کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد) میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں
مشلینا :۔ ہاں، ہاں پوچھو، ڈرو نہیں،
یملیخا :۔ "میں نے جب آپ لوگوں کو قتل گاہ سے بھاگتے ہوئے دیکھا تو مجھے تعجب ضرور ہوا، لیکن گھبراہٹ

میں پوچھنے کا موقعہ ہی نہ ملا اور جب یہاں غار میں پہونچے تو سب کے سب دفعۃً ایسا سوئے ایسا سوئے کہ ——"

مشلینا:— ہاں تو تمھیں حیرت کس بات پر ہوئی

یملیخا:— اس بات پر کہ دقیانوس مسیحیت کا اتنا بڑا دشمن اور اُسے یہ بھی خبر نہیں کہ اسکے دونوں وزیر مسیحی ہیں

مرنوش:— اس سے زیادہ حیرت تمھیں اس بات پر ہونی چاہئے کہ اسکی بیٹی بھی مسیحی ہے اور وہ اس سے بے خبر ہے۔

یملیخا:— (تعجب سے) اس کی بیٹی، شاہزادی پریسکا ——!

مشلینا:— (ملامت وعتاب کی آواز سے)— مرنوش!

مرنوش:— اونہہ، یملیخا سے کہنے میں کیا حرج ہے

یملیخا:— اے آقا، معاف فرمایئے، میں یہ پوچھتا ہوں کہ بادشاہ پر آخر یہ راز کھلا کیونکر؟

مرنوش:— اے مشلینا، یہ بات اب تمھیں بتاؤ،

مشلینا:— مجھ سے تو اب یہاں نہیں ٹھہرا جاتا

مرنوش:— اور مجھ سے ٹھہرا جائے گا جو صرف تمھاری حماقت سے اس مصیبت میں مبتلا ہوا۔ تم سے کس نے کہا تھا کہ شاہزادی کے نام خط لکھو اور بغیر تحقیق کئے ہوئے ایک ایسی خادمہ کے ذریعہ سے پہونچاؤ جو بادشاہ کی جاسوس تھی۔ جس طرح پہلے ایک بار تم نے اس کو طلائی صلیب کا تحفہ دیا تھا، اسی طرح یہ خط بھی موقعہ نکال کر خود ہی دیتے۔ اگر تم صلوٰۃ فصحٰی[1] ادا کرنے کو جا رہے تھے تو اسکی اطلاع دینے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر تھی بھی تو اس تحریر میں میرا ذکر تم نے کیوں کیا؟

مشلینا:— بیشک، غلطی ہوئی، اور اگر میں یہ نہ لکھتا تو ——"

مرنوش:— مجھ پر کیوں یہ مصیبت آتی اور کیوں اپنی بیوی بچے چھوڑ کر یہاں غار میں چھپنا پڑتا۔

یملیخا:— اے آقا، کیا آپ کے اہل وعیال خطرہ میں ہیں

مرنوش:— نہیں خطرہ تو کوئی نہیں، کیونکہ اول تو ان کا قیام ایسی جگہ ہے جہاں کسی کو پتہ چل ہی نہیں سکتا، علاوہ اس کے اُن کے مسیحی ہونے کا بھی کسی کو علم نہیں ہے

یملیخا:— شکر ہے،

مرنوش:— "شکر"؟ یہ نہیں کہتے کہ انتہائی بدنصیبی تھی کہ ہمارا راز بادشاہ پر ظاہر ہو گیا اور دو دن نہ گزرے تھے کہ اس نے مسیحیوں کے قتل عام کا حکم دیدیا

---

[1] ایسٹر کی عبادت

یلیخنا :- غضب کا غصہ تھا

مرنوش :- سنتے ہیں کہ جسوقت وہ تحریر بادشاہ کی نگاہ سے گزری تو وہ اس کو پڑھ کر آپے سے باہر ہوگیا اور حکم دیا کہ بھوکے شیروں کے پنجرے لائے جائیں۔ مگر وہ تو کہئے پریسکا نے ہم کو اطلاع دیدی اور ہم جان بچا کر نکل آئے — ورنہ —"

یلیخنا :- شکر ہے مسیح نے آپ کو اس مصیبت سے نجات دلائی"

مرنوش :- ہاں نجات تو ملی مگر ایسی نجات کس کام کی کہ میں یہاں اور میرے بیوی بچے وہاں

یلیخنا :- آپ کو اپنے اہل وعیال سے بڑی محبت ہے،

مرنوش :- محبّت ! میں جیتا ہی اُن کے لئے ہوں،

یلیخنا :- صبر کیجئے، خدا کی رحمت قریب ہے،

مرنوش :- ہاں، اتنی ہی قریب ہے جتنا آسمان زمین سے

یلیخنا :- اللہ کے ساتھ تمسخر نہ کیجئے

مرنوش :- اس میں اللہ کا کیا ہیچ۔ یہ مصیبت تو خود ہم نے اپنے ہاتھوں مول لی ہے۔

یلیخنا :- اے آقا، جو کچھ ہوتا ہے اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے

مرنوش :- ہوتا ہوگا، مگر یہ بات تو خالص ہماری حماقت سے ہوئی ہے

یلیخنا :- توبہ توبہ کیجئے، ایک مسیحی کی زبان سے ایسے کلمے مناسب نہیں

(مشلینا کراہ کے اُٹھنا چاہتا ہے)

مرنوش :- کہاں کا ارادہ کیا؟

مشلینا :- جو غلطی مجھ سے ہوئی ہے اس کی تلافی کے لئے جاتا ہوں

مرنوش :- "وہ کیونکر؟"

مشلینا :- بادشاہ کے پاس جاکر کہوں گا کہ خط کے اندر مرنوش کا نام لکھنے میں میں نے غلطی کی ہے اور جو کچھ خطا ہے میری ہے،

مرنوش :- یہ کیوں نہیں کہتے کہ اپنی محبوبہ کے دیکھنے کے لئے بیتاب ہو

مشلینا :- (آہ سرد بھر کر) مرنوش میں تمھیں اسقدر سنگدل نہیں جانتا تھا۔ یا اللہ اب میں کیا کروں،

یلیخنا :- صبر کیجئے اور مسیح پر بھروسہ کرکے خاموش بیٹھ جائیے

مشلینا :- مسیح کو کیا خبر کہ یہاں دل پر کیا گزر رہی ہے،

یلیخنا:۔ توبہ، توبہ، آپ کو اس میں شک ہے کہ مسیح سب حال سے خبردار ہے، مجھے تو یقین ہے کہ وہ ضرور اس مصیبت کو دور کرے گا۔

مشلینا:۔ "کب"

یلیخنا:۔ کب؟ اس سوال کا ہم کو کیا حق حاصل ہے، ہمارا کام صرف اعتقاد و اعتماد ہے

مشلینا:۔ اے یلیخا، مجھے تیرے ایمان پر حیرت ہے، کیا تو مسیحی پیدا ہوا تھا یا بڑے ہونیکے بعد یہ دین اختیار کیا۔

یلیخنا:۔ میں مسیحی پیدا ہوا تھا، لیکن سچا ایمان اسوقت لایا جب طرسوس کی شہر پناہ کے نیچے میں نے ایک راہب کی گفتگو سنی۔

مشلینا:۔ کونسا راہب؟

یلیخنا:۔ پانچ سال اُس طرف کی بات ہے، میری عمر ۲۰ سال کی تھی اور دنیا میں سوائے بھیڑیں چرانے کے مجھے کوئی خبر نہ تھی، میں مسیحی ضرور تھا لیکن صرف اس لئے کہ مسیحی خاندان میں پیدا ہوا تھا خود کوئی شعور نہ رکھتا تھا۔ ایک دن میں طرسوس گیا تو دیکھا کہ ایک راہب شہر پناہ سے باہر پوشیدہ طور پر چند آدمیوں سے گفتگو کر رہا ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ اسکی باتیں سنکر میرا کیا عالم ہوا میرے دل نے کیا محسوس کیا اور میری آنکھوں نے کیا دیکھا

مشلینا:۔ راہب نے کیا کہا؟

یلیخنا:۔ یہ تو مجھے کچھ یاد نہیں، لیکن جو کیفیت میری ہوئی اس کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ جسوقت میں غروب آفتاب کے وقت پہاڑ سے نیچے اُتر رہا تھا تو تمام وادی نور سے لبریز نظر آرہی تھی، میں رات بھر سوچتا رہا کہ یہ حُسن اس سے قبل میں نے کہاں دیکھا تھا۔ لڑکپن میں؟ خواب میں؟ پیدا ہونے سے پہلے؟ صبح کے وقت دفعتہً خیال ہوا کہ یہ حُسن تو ہمیشہ سے موجود ہے، آفرینش کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا ہے، اور اب سوائے اس احساس کے یہ بھی یاد نہیں کہ راہب نے کیا کہا تھا۔

مشلینا:۔ مرنوش، سنتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے۔

مرنوش:۔ ہاں سن رہا ہوں

مشلینا:۔ بولو، تمہارا کیا خیال ہے

مرنوش:۔ بولوں کیا، یونہی واہی تباہی بک رہا ہے

مشلینا:۔ ہاں تمہاری سمجھ میں تو سوائے اسکے کوئی بات آہی نہیں سکتی کہ تم تمام رات اپنی بیوی سے جدا رہے

مرنوش:۔ (طعن کے ساتھ) اور تم کیا سمجھے۔

مشلینا:۔ یہ کہ ہم دونوں خدا سے دور ہیں اور غیر خدا میں مشغول،

مرنوش:۔ لیکن اس میں حرج ہی کیا ہے؟

یلیخا:۔ (کانپ کر) اللہ آپ پر رحم کرے ۔۔۔ (آگے کی طرف بڑھتا ہے)

مرنوش:۔ یلیخا، کہاں کا ارادہ ہے؟

یلیخا:۔ شہر جا رہا ہوں، ابھی کچھ کچھ اندھیرا ہے، کوئی چیز کھانے کی لے آؤں،

مرنوش:۔ لیکن تمھارے پاس دام بھی ہیں۔ ٹھہرو (اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتا ہے) کل کچھ سکّے میری جیب میں پڑے ہوئے تھے۔ (رُک کر) ہاں، ہیں، یہ لو۔

(یلیخا سکّے لیکر چلا جاتا ہے)

(تھوڑی دیر کے بعد)

مرنوش:۔ (دفعتہً گھبرا کر) کیا یلیخا چلا گیا؟

مشلینا:۔ کیوں خیر تو ہے، کیا کام یاد آیا؟

مرنوش:۔ کچھ نہیں، میں نے سوچا کہ وہ اُدھر ہی سے میرے بیوی بچوں کو بھی دیکھتا آتا

مشلینا:۔ مگر اُسے تمھارے مکان کا پتہ کیا معلوم، میں چلا جاؤں؟

مرنوش:۔ تم جاؤ گے تو پھر کوئی حماقت کر بیٹھو گے اور کوئی دوسری مصیبت نازل ہو جائے گی۔

مشلینا:۔ نہیں، تم کوئی اندیشہ نہ کرو،

مرنوش:۔ یہ ممکن نہیں کہ تم یہاں سے نکلکر اُس کو دیکھنے نہ جاؤ،

مشلینا:۔ پھر اس میں نقصان ہی کیا ہے۔ وہ بھی میری منتظر ہوگی۔ کیا تمھیں یاد نہیں کہ چلتے وقت اُسنے کہا تھا کہ تیسرے دن صبح کو میں محل کے جھروکہ میں بیٹھکر تمھارا انتظار کروں گی،

مرنوش:۔ تو کیا تین دن گزر گئے ہیں۔

مشلینا:۔ نہیں گزرے تو کیا ہوا۔ حالات معلوم کرنے میں کیا حرج ہے۔

مرنوش:۔ اور تمھیں کسی نے پہچان لیا تو ۔۔۔؟

(دفعتہً ایک آواز غار کے باہر سے سُنائی دیتی ہے)

مشلینا:۔ (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) یہ کیسی آواز ہے۔

آواز:۔ "اے وزیرو"

مرنوش:۔ کون ہے۔

آواز :- میں ہوں یملیخا

مرنوش :- یہ تو چیخ کیوں رہا ہے؟

یملیخا :- آپ لوگ غار کی تاریکی میں صبح کے منتظر ہیں اور یہاں دوپہر ہونے کو آئی ہے

مرنوش :- کھانا بھی لایا یا نہیں؟

یملیخا :- اب میں کیا بتاؤں کہ راستہ میں کیا ہوا؟

مرنوش :- جلدی بتا، کیا بات ہے؟

یملیخا :- "میں غار سے باہر نکل کر دو قدم چلا ہوں گا کہ ایک سوار نظر پڑا جو عجیب قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور شکاری معلوم ہوتا تھا، میں نے اس کو سکہ دیا اور کہا کہ کوئی شکار ہو تو مجھے بھی دیدو۔ اسنے سکہ لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھا تو وہ حیران ہوگیا اور بولا کہ یہ دقیانوس کے وقت کا سکہ کہاں سے آگیا، یہ تو نہایت پرانا سکہ ہے، کیا کوئی دفینہ ہاتھ آگیا ہے" میں سمجھا کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے اور ڈر کے مارے یہاں بھاگ آیا۔

مرنوش :- بیشک اس کا دماغ خراب ہے۔

مشلینا :- (نہایت ہی سنجیدگی سے) اے مرنوش، ایسا نہ کہو

مرنوش :- کیوں، کیا اس میں بھی کوئی شک ہے؟

مشلینا :- ہاں شک ہے

مرنوش :- کس بات کا؟

مشلینا :- اس بات کا کہ ہم کب سے یہاں غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ کیا تمھیں یاد نہیں کہ جب ہم یہاں آئے تھے تو سر منڈا ہوا تھا، چہرہ صاف تھا اور اب دیکھو کہ داڑھی اور سر کے بالوں کا کیا حال ہے، ابھی تھوڑی دیر ہوئی جب میں نے سر کھجایا تو مجھے خیال ہوا کہ اتنے بال کہاں سے آگئے،

یملیخا :- ہاں جسوقت میں نے اس سوار کو سکہ دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنے ناخنوں کو دیکھا کہ وہ حد سے زیادہ لمبے ہیں۔ یہاں اندھیرے میں کچھ پتا چلا ہی نہیں کہ کسی کا کیا حال ہے۔

مشلینا :- یقیناً ایک ہفتہ ضرور یہاں آئے ہوئے ہوگیا ہوگا۔ حیرت ہے کہ ہمیں اس کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا،

مرنوش :- (اپنا سر چھوتے ہوئے) سچ کہتے ہو، میں بھی جب یہاں آیا تھا تو میرا سر صاف تھا، لیکن اب تو اُفوہ، سر جنگل ہوکر رہگیا ہے، اور داڑھی تو بالکل پادریوں کی سی ہوگئی ہے،

یملیخا :- میں سمجھتا ہوں کہ ایک مہینہ سے کم زمانہ نہیں ہوا۔

مرنوش :- (تعجب سے) ایک مہینہ! اور اتنی مدت تک ہم رہے کہاں؟

یلیخا :- "سوتے رہے"

مرنوش :- "کیوں بیوقوفوں کی سی باتیں کر رہے ہو"

یلیخا :- اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے، جب میں چھوٹا تھا تو میں نے اپنی دادی سے سنا تھا کہ ایک مسیحی چرواہا سیلاب سے بچکر ایک غار میں چھپا اور ایک مہینہ تک وہاں پڑا سوتا رہا، جب سیلاب ختم ہو گیا تو وہ صحیح وسالم باہر نکلا اور اس کو بالکل پتہ نہیں چلا کہ وہ کب تک سوتا رہا،

مرنوش :- یہ بڑھیوں کے قصے کہانیاں ہیں،

یلیخا :- مجھے تو اس پر بالکل یقین ہے، خدا اور مسیح اگر چاہیں تو یہ کیا، اس سے بھی زیادہ ممکن ہے۔

مرنوش :- (تمسخر کے ساتھ) شکر ہے کہ یلیخا تم ہمارے ساتھ تھے ورنہ خدا اور مسیح کیوں ہمارے لئے معجزہ دکھاتے۔

(ناگہاں غار سے باہر شور و غل کی آواز آتی ہے)

مرنوش :- "یہ کیا ہے"

یلیخا :- "یہ تو آدمیوں کا شور و غل معلوم ہوتا ہے۔

مرنوش :- "چلو قصہ ختم ہو گیا، اس سوار نے ضرور اس کی اطلاع دقیانوس کو کر دی ہے اور اب اس نے ہمارے گرفتار کرنے کے لئے سپاہی بھیجے ہیں۔

(آوازیں قریب تر آتی جاتی ہیں)

لوگ :- (باہر سے) اے خزانہ والو، اے دفینہ پانے والو، باہر نکلو، ڈرو نہیں۔

مرنوش :- (آہستہ آہستہ) خزانہ؟ خزانہ کیسا؟ یہ کہہ کیا رہے ہیں؟

لوگ :- (غار کے دروازہ کے قریب پہونچکر) یہ ہے غار کا دروازہ، چلو اندر چلیں،

بعض آوازیں :- "مگر اندر تو بہت اندھیرا ہے"

کچھ اور آوازیں :- "مشعلیں روشن کرو"

(تھوڑی دیر کے بعد غار کے اندر روشنی سی آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور پھر چند آدمی ہاتھوں میں مشعل لئے ہوئے نمودار ہوتے ہیں، لیکن جونہی ان لوگوں پر نگاہ پڑتی ہے، گھبرا کر چیخ مارتے ہیں اور اُلٹے پاؤں واپس جاتے ہیں)

آوازیں :- "بھوت ہیں، بھوت، بھاگو یہاں سے،

(سب آدمی مشعلیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور یہ تینوں بُت کی طرح ساکت و جامد اپنی اپنی جگہ سوچ رہے ہیں کہ کیا وہ واقعی مر چکے ہیں اور کیا وہ حقیقتاً بھوت ہو گئے ہیں)

دوسرا ایکٹ

(قصر شاہی کا کمرہ - شاہزادی پریسکا کنیزوں کے درمیان کھڑی ہے
اور ہاتھ میں ایک کتاب لئے ہوئے ہے)

پریسکا :- غالیاس کہاں ہے، آج صبح سے اس کا پتہ نہیں،
(آتالیق)

(غالیاس نمودار ہوتا ہے، بہت گھبرایا ہوا جلدی جلدی آرہا ہے - یہ
نہایت ضعیف العمر شخص ہے اور تمام بال سفید ہیں)

غالیاس :- (ہانپتے ہوئے) اے شاہزادی میں حاضر ہوگیا ہوں

پریسکا :- غالیاس، تم اسقدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو، پسینے پسینے ہو رہے ہو، کیا بات ہے، خیر تو ہے ؟

غالیاس :- اے شاہزادی میں شہر میں تھا - اور - اور -

شاہزادی :- اور - کیا، شہر میں کوئی نئی بات دیکھی - بادشاہ سلامت دیر سے تمھیں یاد کر رہے ہیں -

غالیاس :- (جاتے ہوئے) کیا بادشاہ نے مجھے طلب کیا تھا؟

پریسکا :- ذرا ٹھہرو - تم دیکھتے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے، یہ تعبیر نامہ ہے - اے غالیاس، رات میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے -

غالیاس :- اے شاہزادی خیر ہو، وہ خواب کیا ہے ؟

پریسکا :- میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں زندہ دفن کردی گئی ہوں

غالیاس :- (کچھ سوچکر) یا خدا، اس خواب کا تعلق اس واقعہ سے تو نہیں جو آج شہر میں مشہور ہے -

پریسکا :- وہ کیا واقعہ ہے ؟

غالیاس :- یہ کہ شاہ دقیانوس کے زمانہ کا خزانہ وادی رقیم کے غار میں مدفون ہے

پریسکا :- (سوچکر) - دقیانوس !

غالیاس :- ہاں، دقیانوس، اے شاہزادی میں نے تاریخ قدیم کے سلسلہ میں آپ کو اس بادشاہ کا حال سنایا ہے

پریسکا :- ہاں، ہاں مجھے یاد آگیا، وہی نا جس کی بیٹی کے نام پر میرا نام رکھا گیا ہے -

غالیاس :- بالکل ٹھیک، یہ وہی دقیانوس ہے جس کی لڑکی کی نسبت کاہنوں نے یہ بتایا تھا کہ آپ بالکل اسی کی صورت لیکر پیدا ہوئی ہیں اور اسی لئے آپ کا نام بھی وہی رکھا گیا جو اس کا تھا -

پرلیسکا :- کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ کاہنوں نے یہ بات سچ کہی تھی، کیا میں واقعی اس کی ہمشکل ہوں، غالیاس میرا بہت جی چاہتا ہے کہ اپنی ہمشکل شاہزادی کا حال معلوم کروں، لیکن تم کچھ تفصیل سے بتاتے ہی نہیں

غالیاس :- اے شاہزادی، مجھے جو کچھ معلوم تھا، عرض کر چکا ہوں کہ وہ مسیح کی معتقد تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب مسیح کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنا مذہب اپنے باپ سے پوشیدہ رکھا اور ہمیشہ راہبہ کی زندگی بسر کی، اس نے شادی بھی نہیں کی اور پچاس سال کی عمر میں مرگئی

پرلیسکا :- میں نے سنا ہے کہ جب اس سے شادی کے لئے اصرار کیا جاتا تھا تو وہ کہتی تھی کہ میں ایک پاک عہد کی پابند ہوں اور اس کو نہیں توڑ سکتی کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ عہد اس نے کس سے کیا تھا؟

غالیاس :- اے شاہزادی یہ عہد اس نے اللہ سے کیا تھا

پرلیسکا :- نہیں میں سمجھتی ہوں کہ یہ عہد اس نے اپنے کسی محبوب سے کیا تھا،

غالیاس :- (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) استغفر اللہ، کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ اس نے غیر اللہ سے عہد کیا ہو،

پرلیسکا :- کیوں اس میں حرج ہی کیا ہے۔ کیا عورت سوائے اللہ کے کسی سے مانوس ہی نہیں ہو سکتی اے غالیاس، تجھے عورت کے دل کا حال کیا معلوم۔

غالیاس :- نہیں شاہزادی، مجھے اس کے سارے حال کی اطلاع ہے

پرلیسکا :- ہاں، ایک ضعیف شخص کی اطلاع ایسی ہی ہوا کرتی ہے

غالیاس :- کل ہی میں نے ایک قدیم نسخہ میں پڑھا ہے کہ وہ ہمیشہ یہی کہا کرتی تھی کہ "میں روز انتظار کرتی ہوں اور برابر اسی طرح منتظر رہوں گی جب تک وہ واپس نہ آجائے۔

پرلیسکا :- یہ کس کا انتظار تھا، کس کی واپسی کی تمنا تھی؟

غالیاس :- مسیح، کی واپسی کا انتظار تھا، اُن کے آسمان سے واپس آنے کی تمنا تھی۔

پرلیسکا :- تو وہ واقعی بڑی سچی راہبہ تھی

غالیاس :- اس میں کیا شک ہے، اے شاہزادی

پرلیسکا :- کیا یہ صحیح ہے کہ جو طلائی صلیب میری گردن میں پڑی ہوئی ہے یہ اُسی کی تھی؟

غالیاس :- بالکل صحیح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ مسیح نے اس کی گردن میں صلیب پہنائی، صبح کو جب بیدار ہوئی تو صلیب موجود تھی اور پھر مرتے وقت تک اپنے پاس سے اس نے جدا نہیں کی،

پریسکا :۔ کیا اس نے اسی کمرہ میں انتقال کیا تھا؟
غالیاس :۔ ہاں، وہ ہمیشہ اسی کمرہ میں تنہا رہا کرتی تھی، اور یہیں اب سے ۳۰۰ سال قبل اسنے جان دی۔
پریسکا :۔ وہ کیوں اس حصۂ مکان کو اتنا زیادہ پسند کرتی تھی؟
غالیاس :۔ اے شاہزادی اس کا حال اب کیا معلوم ہو سکتا ہے۔
پریسکا :۔ (کچھ دیر سکوت کے بعد) معلوم نہیں میں کیوں اس شہزادی کا حال معلوم کرنے کے لئے اس قدر بیتاب ہوں۔
غالیاس :۔ اے شہزادی کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کا رجحان بھی ویسا ہی ہو جائے اور کاہنوں کی پیشین گوئی پوری ہو کر رہے
پریسکا :۔ میں اور راہبہ کی زندگی۔ سب کچھ ممکن ہے سوائے اس کے؟
(باہر سے ایک آواز "غالیاس، غالیاس" پکارتی ہوئی سنائی دیتی ہے)
غالیاس :۔ (گھبرا کر) بادشاہ یاد فرما رہے ہیں
بادشاہ :۔ (اندر داخل ہوتے ہوئے) اے غالیاس، تم نے بھی کچھ سنا ہے
غالیاس :۔ ہاں، اے آقا، میں نے بھی دفینہ کی خبر سنی ہے
بادشاہ :۔ صرف دفینہ نہیں، بلکہ بھوتوں کی بھی۔
غالیاس اور پریسکا۔ (دونوں ایک ساتھ گھبرا کر) — بھوت!
بادشاہ :۔ کیا تم لوگوں کے ساتھ غار تک نہیں گئے، کہاں تھے؟
غالیاس :۔ میں لوگوں کے ساتھ شکاری کا بیان سن رہا تھا اور غار کی طرف جانے ہی والا تھا کہ شہزادی کے درس کا خیال آگیا
بادشاہ :۔ وہ شکاری واپس آیا ہے اور عجیب عجیب باتیں بیان کرتا ہے کہتا ہے کہ غار کے اندر تین انسان عجیب وغریب ہیئت کے ہیں اور ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہے
غالیاس :۔ (سوچتا ہوا) کیا یہ وہی لوگ تو نہیں ہیں؟
بادشاہ :۔ کون لوگ؟
غالیاس :۔ اے آقا، وہی تین جن کا چوتھا کتا ہے
بادشاہ :۔ اے غالیاس وہ کون ہیں صاف صاف کہو؟
غالیاس :۔ (آپ ہی آپ حد درجہ عالم تاثر میں) ہاں، ہاں وہی تین جن کا چوتھا رفیق کتا ہے!

پرلیسکا :- اے غالیاس وہ کون ہیں ؟

غالیاس :- اے شہزادی کیا میں نے آپ سے تاریخ شہداء کا ذکر کرتے ہوئے نہیں بتایا تھا کہ اشراف روم میں سے بعض نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا اور دقیانوس کے خوف سے وہ بھاگ گئے تھے اس کے بعد وہ واپس نہیں آئے۔ میں نے قدیم کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک دن وہ پھر ظاہر ہوں گے اور ـــــــ

بادشاہ :- یہی اُس بڈھے کا بھی بیان ہے جو لوگوں کے ساتھ غار تک گیا تھا

پرلیسکا :- (ڈر اور شوق کے جذبہ کے ساتھ) اس نے کیا کہا ابا جان ؟

بادشاہ :- "یہی کہ وہ بھوت نہیں ہیں اور ہمارے آبا و اجداد سے یہ روایت چلی آتی ہے کہ دقیانوس کے زمانہ میں دو سردار دین مسیحی اختیار کر کے چلے گئے تھے، پھر ایک چرواہا مع اپنے کتے کے ان سے ملگیا اور یہ کہ وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں"

پرلیسکا :- لیکن تعجب ہے کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں نے اس کو بالکل فراموش کر دیا تھا،

غالیاس :- ہاں، اے شاہزادی، اولیاء اللہ اسی زمانہ میں ظہور کرتے ہیں جب اُن کو بھلا دیا جاتا ہے۔

بادشاہ :- اے غالیاس، کیا تجھے یقین ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں،

غالیاس :- مجھے بالکل یقین ہے اور اے آقا آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ آپ کے عہد میں ظاہر ہوئے

بادشاہ :- اگر یہ صحیح ہے تو اس میں شک نہیں کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں

غالیاس :- یقیناً صحیح ہے اور یہ وہی اولیاء کرام ہیں جن کا نام راہبوں کی کتابوں میں مرنوش، مشلینا، یلیخا اور کتے کا نام قطمیر درج ہے۔

پرلیسکا :- اے غالیاس، مجھے ابتک یقین نہیں آیا اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا ہونا کیونکر ممکن ہے

غالیاس :- جسوقت شکاری نے مجھ سے اس عجیب وغریب آدمی اور عہد دقیانوس کے سکّہ کا ذکر کیا، مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا لیکن جب بعد کو یہ معلوم ہوا کہ غار میں ایک نہیں بلکہ تین آدمی ہیں اور کتا بھی ان کے ساتھ ہے تو مجھے بالکل یقین آگیا کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں یہی لکھا ہے اور اب شک کی کوئی گنجایش نہیں"

پرلیسکا :- لیکن وہ اتنے زمانہ تک زندہ کیونکر رہے ؟

بادشاہ :- بیشک ۲۰۰ سال تک غار کے اندر زندہ رہنا سخت حیرتناک امر ہے۔

غالیاس :- اے آقا اس میں حیرت کی کیا بات ہے، ہندوستان کی قدیم کتابوں سے بھی ایسے واقعات کا پتہ چلتا ہے۔

بادشاہ :- وہ کیا؟

غالیاس :- جاپان کی مذہبی کتابوں میں تحریر ہے کہ میکاڈو یوریاکو کے اکیسویں سال حکومت میں ایک نوجوان شکاری اوراشیما جو شہر یوشا کا رہنے والا تھا، کشتی میں شکار کے لئے نکلا اور پھر نہ واپس آیا، نہ اسکا کوئی حال معلوم ہوسکا۔ اس کے چار سو سال کے بعد میکاڈو جونچوا کے زمانہ میں وہ پھر ظاہر ہوا،

پریسکا :- یہ نوجوان چار صدی تک کہاں رہا

غالیاس :- مجھے اس سے زیادہ اور کوئی حال معلوم نہیں

پریسکا :- اے غالیاس، تیرا ہر علم ناقص ہے اور تو جو کچھ کہتا ہے وہ بالکل سطحی ہوتا ہے

غالیاس :- اے شاہزادی، بات یہ ہے کہ آپ کی ذہانت کسی بات پر مطمئن نہیں ہوتی ورنہ جو کچھ میں نے کہا اس کے سمجھ میں نہ آنے کی کوئی وجہ نہیں

بادشاہ :- کیا واقعی اور ملکوں میں اس قسم کی روایات پائی جاتی ہیں

غالیاس :- اے آقا کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں اس نوع کی روایات نہ پائی جاتی ہوں اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے

بادشاہ :- پھر انتظار کیا ہے، تم جا کر ان کو یہاں کیوں نہیں لے آتے؟

(باہر سے ہنگامہ کی آواز سنائی دیتی ہے)

بادشاہ :- غالیاس، جاؤ دیکھو یہ کیسا شور ہے،

پریسکا :- اباجان، کیا یہ لوگ واقعی انسان ہیں

بادشاہ :- بیٹی، ڈرو نہیں، یہ واقعی انسان ہیں

(غالیاس گھبرایا ہوا واپس آتا ہے)

غالیاس :- "وہی ہیں وہی"

بادشاہ :- کون؟

غالیاس :- وہی اصحاب کہف

(پریسکا کے منہ سے ہلکی چیخ کی آواز نکل جاتی ہے)

بادشاہ :- (گھبرا کر) وہ یہاں کیونکر آ گئے؟

غالیاس :- لوگ انھیں پکڑ کر یہاں لے آئے ہیں اور اب شاید قصر کے اندر پہونچ گئے ہوں گے۔

پریسکا :- ڈرتی ہوئی، غالیاس، او غالیاس، ادھر آ، میرے پاس آکر کھڑا ہو جا، مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔

غالیاس :۔ (جوش کے ساتھ بادشاہ سے) اے آقا، چلئے ہم سب ان کا استقبال کریں

بادشاہ :۔ (کچھ سوچتا ہوا) ہاں آؤ چلیں

پریسکا :۔ اباجان آپ نہ جایئے، آپ کی آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ان سے کوئی خوف ہے۔

بادشاہ :۔ مجھے ؟

پریسکا :۔ ہاں، اباجان، آپ کو، میں قسم کھاکر کہتی ہوں کہ آپ ڈر رہے ہیں

غالیاس :۔ اے شہزادی، ہمارا بادشاہ مومن و دیندار ہے، اسے کیا خوف ہوسکتا ہے۔

بادشاہ :۔ ٹھیک ہے اے غالیاس بالکل ٹھیک ہے،

(ہنگامہ کی آواز قریب تر ہوتی جاتی ہے)

غالیاس یہ کیا ہے

غالیاس :۔ وہی ہیں، آیئے جلدی قدم بڑھاکر انھیں لے آئیں

پریسکا :۔ (غالیاس کا ہاتھ پکڑ کر) نہیں غالیاس، تم نہ جاؤ میں تنہا نہیں رہ سکتی

(باہر سے مشلینا کی آواز کانوں میں آتی ہے)

مشلینا :۔ اے یملیخا، یہاں تو سب وہی ہے جو ہم کل چھوڑ گئے تھے۔ کوئی چیز بدلی ہی نہیں،

مرنوش :۔ واقعی، یہ کمرہ تو بالکل جوں کا توں ویسا ہی ہے

(تینوں کمرے میں داخل ہوتے ہیں اس حال میں کہ سر کے بال کھلے ہوئے پریشان ہیں، داڑھیاں سینوں پر لٹک رہی ہیں قدیم وضع کے کپڑے جسم پر ہیں اور لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں پریسکا ان کو دیکھتے ہی چیخ اٹھتی ہے اور غالیاس کا دامن پکڑ لیتی ہے)

مشلینا :۔ (بے اختیارانہ انداز سے) آہ، اے پریسکا،

پریسکا :۔ (انتہائی اضطراب کے ساتھ غالیاس سے) اے غالیاس تو نے سنا یہ تو مجھے جانتا ہے میرا نام لیکر پکارتا ہے

غالیاس :۔ ہاں، ہاں کیوں نہیں، یہ لوگ ولی ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔

(شکاری آگے بڑھکر بادشاہ سے مخاطب ہوتا ہے)

شکاری :۔ اے آقا، ہم لوگ ان کو غار سے یہاں لائے ہیں تاکہ بادشاہ خود اُن کے باب میں کوئی فیصلہ کرے

مرنوش :۔ (مشلینا کے کان میں) معلوم ہوتا ہے دقیانوس کا خلیفہ یہی ہے،

(مشلینا جو سوائے شاہزادی کے اور تمام دنیا کو محو کئے ہوئے ہے پھر پریسیکا کا نام لیکر پکار اٹھتا ہے)

پریسیکا :- اے غالیاس، خدا کے لئے مجھے یہاں سے لیچل۔ یہ شخص تو مجھے بری طرح گھور رہا ہے

(پریسیکا چپکے سے دروازہ کھولکر اندر چلی جاتی ہے اور مشلینا اسکی طرف دیکھتا رہتا ہے گویا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے)

بادشاہ :- (آگے بڑھکر) اے مقدس بزرگو، میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں، اور اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ جو تمنا اس سے قبل میرے آبا و اجداد کے زمانہ میں پوری نہ ہو سکتی تھی وہ آج میرے زمانہ میں پوری ہو رہی ہے۔

یملیخا :- (بادشاہ کی طرف اشارہ کر کے مرنوش سے) ذرا اس کا لباس تو دیکھو، یہ ہم کس ملک میں آ گئے ہیں

بادشاہ :- بیشک یہ میرے لئے فخر کی بات ہے کہ آپ میرے آبا و اجداد کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئے حالانکہ وہ بھی مسیحی تھے اور میں بھی مسیح کا ماننے والا ہوں۔

یملیخا :- (خوش ہو کر مرنوش سے) تو مسیحی ہے،

مرنوش :- (اس کو خاموش کرتے ہوئے) ہاں، ہاں مسیحی نہیں تو کیا کوئی اور ہے۔

بادشاہ :- (شکاری سے) اے شکاری میں تجھے انعام دوں گا کہ تو نے ان بزرگوں کی آرامگاہ کا پتہ چلایا۔

مرنوش :- (آپ ہی آپ) کیا یہ بادشاہ دیوانہ ہو گیا ہے

بادشاہ :- اے مقدس بزرگو یہ قصر آپ کا گھر ہے اور ہم لوگ سب آپ کے خادم، کوئی حکم دیجئے تاکہ ہم اس کی تعمیل کریں۔

مرنوش :- خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک ہی دن میں دقیانوس کو ہلاک کر کے اس کا جانشین ایسے دیندار و نیک دل شخص کو بنایا۔ اے بادشاہ میں ضرور یہاں قیام کرتا لیکن میرے اہل و عیال منتظر ہونگے اس لئے مجبور ہوں اور جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔

یملیخا :- میں بھی نہیں ٹھہر سکتا معلوم نہیں میری بھیڑوں کا گلہ کس حال میں ہوگا۔

بادشاہ :- (گھبرا کر) غالیاس - غالیاس۔

مرنوش :- نہیں اس کی ضرورت نہیں، میں اپنے گھر کا راستہ اچھی طرح جانتا ہوں، خود چلا جاؤں گا۔

(مرنوش اور یملیخا دونوں یکے بعد دیگرے باہر چلے جاتے ہیں)

مشلینا :- اے بادشاہ میں اپنے حجرہ میں جانا چاہتا ہوں۔ وہاں کپڑے بدلوں گا، بال درست کرونگا اور نہاؤنگا

تاکہ شاہزادی مجھ سے نفرت نہ کرے۔

بادشاہ :۔ (گھبرایا ہوا) غالیاس، غالیاس

مشلینا:۔ نہیں اس کی حاجت نہیں، مجھے اپنا حجرہ معلوم ہے

بادشاہ :۔ (دروازہ کے پاس جاکر) غالیاس

غالیاس :۔ (باہر سے) حاضر ہوا اے آقا (سامنے آکر) کیا حکم ہوتا ہے۔ (ادھر اُدھر دیکھ کر) یہ اصحاب کہف کہاں چلے گئے

(بادشاہ اشارہ سے لوگوں کو چلے جانے کا حکم دیتا ہے اور سب چلے جاتے ہیں)

بادشاہ :۔ اے غالیاس، یہ اصحاب کہف کیا سب پاگل ہیں؟

غالیاس :۔ توبہ، توبہ، اے آقا یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ یہ آخر چلے کہاں گئے۔

بادشاہ :۔ ایک اپنے گھر گیا، دوسرا اپنی بھیڑوں کو دیکھنے چلا گیا اور تیسرا اپنے سنورنے کیلئے حجرہ میں داخل ہو گیا

(کمرہ سے باہر چیخ پکار کی آواز آتی ہے)

غالیاس :۔ "یہ کیا ہے"

(مرنوشس پھر اندر داخل ہوتا ہے)

مرنوش :۔ اے بادشاہ مجھے ایک بات کہنا ہے وہ یہ کہ جیب میں اپنے اہل وعیال کے پاس جاؤں گا تو کوئی تحفہ لیجانا ضروری ہے۔ میرے پاس کچھ سکے ضرور موجود ہیں لیکن وہ دقیانوس کے وقت کے ہیں اور تمھاری حکومت میں ان کا چلن باقی نہیں رہا، اس لئے سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں؟

(بادشاہ حیرت سے اسے دیکھتا ہے)

مرنوش :۔ اے بادشاہ تم نے اچھا کیا کہ دقیانوس کے زمانہ کی ہر چیز بدل دی تاکہ ایک کافر و دیندار بادشاہ کے زمانہ میں نمایاں فرق پیدا ہو جائے۔ لیکن حیرت ہے کہ ایک ہی ہفتہ میں لباس بھی بالکل بدل گیا، مکان کی حالت بھی اور ہو گئی، راستے بھی وہ نہ رہے اور شہر کا شہر دوسرا ہو گیا۔

بادشاہ :۔ (دروازہ کی طرف دیکھ کر) غالیاس، اے غالیاس۔

غالیاس :۔ (باہر سے)، حاضر ہوا۔ (غالیاس داخل ہوتا ہے)

بادشاہ :۔ (مرنوش کی طرف اشارہ کرکے) دیکھو یہ کیا کہہ رہے ہیں، میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں

غالیاس :۔ (مرنوش کی طرف جھک کر) اے قدیس بزرگ آپ کو خبر نہیں کہ کتنی صدیاں آپ کے انتظار میں گزر چکی ہیں اور حقیقتاً یہ ہمارے بادشاہ کی خوش بختی ہے کہ آپ نے اس عہد میں ظہور فرمایا۔

مرنوش :۔ (آپ ہی آپ) یہ شخص پاگل تو نہیں ہوگیا۔
بادشاہ :۔ (غالیاس سے) یہ تو میں سب کہہ چکا ہوں۔ اب یہ دریافت کرو کہ آیندہ کیا ارادہ ہے۔
غالیاس :۔ ارادہ ؟ سوائے خدا کی عبادت اور گوشہ نشینی کے اور کیا ارادہ ان کا ہو سکتا ہے۔ مہمانخانہ میں ان کو ٹھہرائیے اور خدام کو ان کی خدمت پر مامور کر کے ان کے احکام کی تعمیل کا اہتمام کیجئے،
(مرنوش سے) اے قدیس محترم، آئیے تشریف لائیے۔
مرنوش :۔ (بغیر حرکت کئے ہوئے) کہاں ؟
غالیاس :۔ اپنی عبادتگاہ میں۔ (ہاتھ پکڑ کر لیجانا چاہتا ہے)
مرنوش :۔ (غصہ سے ہاتھ چھڑا کر بادشاہ سے) میں پوچھتا ہوں کہ مجھ پر اس دیوانہ کو کیوں مسلط کیا گیا ہے، میں تو اپنے گھر جانا چاہتا ہوں اور اسی کی اجازت چاہتا ہوں
بادشاہ :۔ (غالیاس) ۔ سنا تم نے یہ کیا کہہ رہے ہیں
غالیاس :۔ ہاں، ہاں میں جانتا ہوں آپ کا گھر کہاں ہے، آپ چلے جائیے گا، لیکن کچھ دیر تو ہم لوگوں کو اپنی صحبت سے مستفید ہونے دیجئے۔
مرنوش :۔ (حیرت سے) کیا تم میرا گھر جانتے ہو؟
غالیاس :۔ میں اور آپ کا مکان نہ جانوں
مرنوش :۔ میں نے تو سوائے چند خاص آدمیوں کے کسی اور کو بتایا ہی نہیں
غالیاس :۔ اے قدیس محترم، تو کیا میں ان مخصوص لوگوں میں سے نہیں ہوں، آپ کی یاد میں میرے بال تک سفید ہوگئے۔
مرنوش :۔ میں نے تو تمھیں آج سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں
غالیاس :۔ میں تو آپ کو روز خواب میں دیکھتا تھا اور جانتا تھا کہ آپ کا مسکن کہاں ہے
مرنوش :۔ بالکل غلط ہے۔ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں تمھیں کس کس نے میرے مسکن کا پتہ دیا؟
غالیاس :۔ میرے ایمان نے
مرنوش :۔ خیر وہ تمھارے ایمان نے بتایا ہو یا کسی اور چیز نے، مجھے بتاؤ کہ میرا گھر کہاں ہے اور کس سمت میں ہے؟
غالیاس :۔ (اوپر کی طرف گردن اٹھا کر) آسمان میں
مرنوش :۔ (بادشاہ سے) میں نہ کہتا تھا کہ یہ شخص دیوانہ ہے، اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے

بادشاہ :- (غالیاس سے) تم ٹھہیرو، میں جاتا ہوں

غالیاس :- (گھبرا کر) اے مولا، تو کیا آپ مجھے یہاں تنہا چھوڑے جاتے ہیں۔

(بادشاہ جانے لگتا ہے لیکن دفعتہً یلیخا کے اندر آجانے سے رک جاتا ہے)

یلیخا :- (بادشاہ اور غالیاس کی طرف اشارہ کر کے۔ مرنوش سے) یہ آپ بھی کن لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں؟

(بادشاہ اور غالیاس خوفزدہ دروازہ کھولکر نکل جاتے ہیں)

مرنوش :- یلیخا، کیا بات ہے!

یلیخا :- کچھ نہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آیئے غار میں واپس چلیں۔ یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔

مرنوش :- کیوں؟

یلیخا یہ دنیا ہی کچھ اور ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ کہاں آگیا۔

مرنوش :- میں سمجھا نہیں، صاف صاف کہو

یلیخا :- یہ بتایئے کہ ہم لوگ غار میں کتنے دن رہے،

مرنوش :- یہی کوئی ہفتہ عشرہ

یلیخا :- اے مرنوش، ہم لوگ سب مر چکے ہیں، پورے تین سو سال مرے ہوئے ہو چکے ہیں اور یہ ہم نہیں ہیں بلکہ ہمارے بھوت ہیں جو چل پھر رہے ہیں،

مرنوش :- یلیخا، کیا تو کچھ پی گیا ہے؟

یلیخا :- میں پی وی کچھ نہیں گیا ہوں۔ ذرا باہر شہر میں نکل کے تو دیکھئے کہ کیا رنگ ہے، وہاں پہونچکر سب سمجھ میں آجائے گا۔

مرنوش :- کیا؟

یلیخا :- یہی کہ اب اس شہر میں ہم ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔

مرنوش :- کیوں، کیا یہاں انسان آباد نہیں ہیں، کیا، روم روم نہیں رہا آخر بات کیا ہے؟

یلیخا :- انسان تو ہیں لیکن نہ وہ ہماری بات سمجھ سکتے ہیں نہ ہم ان کی

مرنوش :- اچھا تو ان سے بات نہ کر اور اپنے گھر میں جاکر بیٹھ رہ۔ تیرے اہل وعیال تو ہیں نا؟

یلیخا :- اب تین سو سال کے بعد اہل وعیال کہاں

مرنوش :- اے شقی، یہ تو کیا کہہ رہا ہے،

یلیخا :- تنہا میں ہی شقی نہیں، ہم تینوں شقی ہیں اور غریب قطمیر بھی ہمارے ساتھ شقی ہو گیا ہے۔ اب سوائے

غار کے اور کہیں ہم لوگوں کا ٹھکانا نہیں - میں اگر یہاں رہا بھی تو فوراً مر جاؤں گا -

مرنوش :- کیا تو پاگل ہو گیا ہے ؟

یملیخا :- میں پاگل نہیں ہوں - آپ تو غار لوٹ چلئے - وہی ہماری کھوئی ہوئی دنیا ہے اور وہیں ہمارا ٹھکانا -

مرنوش :- کیا کوئی انسان باور کر سکتا ہے جو تو کہہ رہا ہے، تیری نظریں دھوکا کھاتی ہیں، دھوکا!"

یملیخا :- خود باہر نکل کر دیکھئے تو معلوم ہو کہ میری نظر دھوکا کھا رہی ہے یا ساری دنیا کی - لوگوں کے لباس بدل گئے، مکان کی صورتیں اور ہو گئیں، شہر کچھ کا کچھ ہو گیا

(مشلینا داخل ہوتا ہے جس کی داڑھی مونچھ صاف ہے اور نئے قسم کا لباس پہنے ہوئے ہے)

دیکھو، آجکل کے لوگوں میں سے یہ بھی ایک ہے -

مرنوش :- (مشلینا سے) تم کون ہو -

مشلینا :- (مسکراتا ہوا) میں ہوں، مشلینا، تم نے پہچانا نہیں ؟

مرنوش :- یہ تم بدل کیسے گئے

مشلینا :- میں نے استرا طلب کر کے داڑھی مونچھ صاف کی، کپڑے منگا کر پہنے لیکن یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ ہم لوگ غار میں کتنے دن رہے

مرنوش :- یملیخا کہتا ہے کہ تین سو سال سے زاید زمانہ گزرا -

مشلینا :- ٹھیک کہتا ہے - لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں، جب تک پرسیکا زندہ ہے، میں وہی ہوں اور زمانہ وہی -

مرنوش :- تو یوں کہو کہ یہ تمام بناؤ سنگھار اس لئے تھا - میں بھی اسی طرح بن سنور کر اپنے اہل و عیال کے پاس جاؤں گا -

مشلینا :- اور یملیخا بھی ؟

یملیخا :- اے نوجوانو، مجھے تو تم میرے حال پر چھوڑ دو - تین سو سال کے بڈھے پر رحم کرو -

مرنوش :- یملیخا کو چھوڑ دو اس کا کون ہے جس کے لئے وہ بنے سنورے گا -

(یملیخا چلا جاتا ہے اور مشلینا و مرنوش اسے دیکھتے رہتے ہیں)

تیسرا ایکٹ

(قصر شاہی کا کمرہ ہے اور وقت رات کا۔ روشنی سے مکان جگمگا رہا ہے
اور مشلینا بیتابانہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے کہ غالیاس نمودار ہوتا ہے)

مشلینا:۔ (غالیاس کی طرف بڑھتے ہوئے)۔ شاہزادی کہاں ہے؟

غالیاس:۔ اے قدیس،

مشلینا:۔ کیا تو نے سُنا نہیں جو میں نے کہا؟

غالیاس:۔ ہاں، سُنا

مشلینا:۔ پھر تو نے کیا جواب دیا؟

غالیاس:۔ کچھ نہیں، اے قدیس

مشلینا:۔ کچھ نہیں؟ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں شاہزادی سے باتیں کرنا چاہتا ہوں اور آج رات کو اس سے ملنا ضروری ہے، چاہے کچھ ہو۔

غالیاس:۔ اے قدیس،

مشلینا:۔ قدیس، قدیس اکیے چلا جاتا ہے اور میری بات کا جواب نہیں دیتا، میں پوچھتا ہوں شاہزادی کہاں ہے، تو کہتا ہے۔ قدیس۔ خبردار جو اب مجھے قدیس کہا۔ میں قدیس نہیں ہوں۔

غالیاس:۔ ہاں، اے قدیس

مشلینا:۔ پھر وہی۔ تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ تو یہاں قصر میں کرتا کیا ہے؟

غالیاس:۔ شاہزادی کا اتالیق ہوں

مشلینا:۔ اتالیق، شاہزادی کا اتالیق! میں نے تو سوائے آج کے تجھے قصر میں کبھی دیکھا نہیں

غالیاس:۔ اے قدیس، میں، میں۔

مشلینا:۔ پھر وہی۔ میں پوچھتا ہوں کہ شاہزادی کہاں ہے اور تو پاگلوں کی طرح ایک ہی بات رٹتا چلا جا رہا ہے۔ چل دور ہو یہاں سے۔

(غالیاس جانے لگتا ہے اور مشلینا اس کو روک کر کہتا ہے)

مرنوش کی بھی کچھ خبر ملی یا نہیں۔ کل سے وہ گھر گیا ہوا ہے اور اب تک لوٹا نہیں۔

غالیاس :۔ اے قدیس، مجھے نہیں معلوم

مشلینا :۔ اور وہ غلام جو اس کے ساتھ ہلایا لیکر گیا تھا وہ بھی لوٹا یا نہیں ؟

غالیاس :۔ اے قدیس، مجھے معلوم نہیں

مشلینا :۔ ہاں، تجھے کیا معلوم، جاہل کہیں کا۔ کمبخت تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے

غالیاس :۔ کون، وہ، اے قدیس !

مشلینا :۔ شاہزادی اور کون ؟

غالیاس :۔ بادشاہ کے پاس ہے

مشلینا :۔ ایسے ناوقت بادشاہ کے پاس اس کا کیا کام ؟

غالیاس :۔ بادشاہ رات کو کبھی کبھی اس کو بلا لیتا ہے تاکہ وہ اسے کچھ پڑھکر سنائے

مشلینا :۔ خوابگاہ میں ؟ کیا یہی عہد مقدس ہے

غالیاس :۔ بیشک شاہزادی مسیحی مذہب رکھتی ہے اور عہد مقدس کی پابند ہے

مشلینا :۔ یہ تجھے کیونکر معلوم ہوا۔ کیا اس نے تجھ سے کبھی کچھ ذکر کیا تھا

غالیاس :۔ ہاں

مشلینا :۔ (غالیاس کا ہاتھ پکڑ کر) آؤ، تم بڑے اچھے آدمی ہو۔ مجھ سے چھپاؤ نہیں، صاف صاف بتاؤ کہ بادشاہ سے اس کے کیا تعلقات ہیں۔

غالیاس :۔ اے قدیس، بادشاہ بڑا دیندار مسیحی ہے

مشلینا :۔ تو کیا یہ دقیانوس کے خاندان کا نہیں ہے،

غالیاس :۔ بت پرست دقیانوس کا خاندان اور ہمارا بادشاہ ! توبہ، توبہ۔ یہ آپ نے کیا خیال فرمایا،

مشلینا :۔ ہاں، بیشک یہ بادشاہ، دقیانوس کے خاندان کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ میں نے بھی اس سے قبل اسے کبھی نہیں دیکھا، لیکن حیرت یہ ہے کہ دو دن کے اندر مسیحی افواج آئیں بھی، دقیانوس کی حکومت کا تختہ بھی اُلٹ دیا اور ان کا سردار شاہزادی پریسکا پر قابض بھی ہو گیا یہاں تک کہ وہ رات کو اپنی خوابگاہ میں اسے بلا کر افسانے سنتا ہے۔ لیکن اے غالیاس کیا تم کہہ سکتے ہو کہ وہ مجبوراً اسکے پاس جاتی ہے یا اپنی خوشی سے، کیا اس نے اپنا عہد توڑ دیا ؟

غالیاس :۔ اے قدیس، وہ اپنے عہد پر اسی طرح قایم ہے جس طرح اس کی دادی پابند تھی۔ کاہن سے پوچھو اگر وہ زندہ ہو کہ وہ ہر صورت و شکل، مزاج و طبیعت الغرض ہر چیز میں بالکل اپنی پردادی پر گئی ہے۔

مشلینا :۔ پردادی ؟ کونسی پردادی ؟
غالیاس :۔ پرنیکا۔
مشلینا :۔ یہ آخر تو بک کیا رہا ہے، کچھ دماغ خراب ہوگیا ہے، یا شراب پی لی ہے
غالیاس :۔ اے قدیس، میں جو کچھ کہتا ہوں، سچ کہتا ہوں۔ کاہن نے اس کی پیدایش کے دن یہی کہا تھا
مشلینا :۔ اچھا اب تم جاؤ، میرا دماغ خراب نہ کرو۔

(غالیاس جانے لگتا ہے۔ لیکن مشلینا اسے پھر روکتا ہے)

اے بڈھے، ادھر سُن، کیا شاہزادی بادشاہ کے پاس سے لوٹ کر اپنے کمرہ میں جائیگی یا نہیں،
غالیاس :۔ ہاں، جائے گی
مشلینا :۔ اور وہ اسی کمرہ سے گزرے گی
غالیاس :۔ ہاں، اے قدیس،
مشلینا :۔ اچھا تو اب تم جاؤ، تمھاری ضرورت نہیں۔ میں اس کا یہیں انتظار کروں گا،

(دفعتہً ایک آواز باہر سے آتی ہے)

مرنوش :۔ (باہر سے) مشلینا۔ مش ۔۔ لی ۔۔۔ نا،
مشلینا :۔ (آپ ہی آپ) مجھے کون پکارتا ہے،
مرنوش :۔ (اندر آتے ہوئے) مشلینا،
مشلینا :۔ "مرنوشش"

(مرنوش داڑھی مونچھ صاف کئے ہوئے نئے لباس میں کراہتا ہوا نمودار ہوتا ہے)

یہ تمھیں کیا ہوگیا ہے
مرنوش :۔ (روتے ہوئے) میرا لڑکا مرگیا
مشلینا :۔ "کب"

(مرنوش زار زار رونے لگتا ہے)

مشلینا :۔ مرنوش رو نہیں، صبر کرو، تمھاری بیوی موجود ہے تو اور اولاد ہوجائے گی
مرنوش :۔ (ڈھاڑیں مارتے ہوئے) وہ بھی مرگئی،
مشلینا :۔ (حیرت سے) ارے۔ کیا ان سب کو کسی نے قتل کر دیا۔ گھر میں کسی سے کچھ پتہ چلا یا نہیں۔

مرنوش :- گھر کہاں ؟ جہاں گھر تھا وہاں اب ایک بازار آباد ہے

مشلینا :- یہ تمام حال تمھیں معلوم کیسے ہوا ؟

مرنوش :- وہیں بازار میں ایک نہایت ضعیف العمر شخص ہے اسی سے پتہ چلا

مشلینا :- کیا یہ تمام سانحے اس کے سامنے ہوئے ہیں

مرنوش :- نہیں۔ یہ بات نہیں، بلکہ جب میں نے اپنے بیٹے کا نام بتایا تو اس نے کہا کہ ہاں میرے اجداد میں سے ایک شخص ضرور اس نام کا تھا، لیکن جب رومی فوجیں یہاں فاتحانہ داخل ہوئیں تو اس وقت اس کا انتقال ہوگیا۔

مشلینا :- تو گیا تمھارا ابھی خیال وہی ہے جو کل یلیخا نے ظاہر کیا تھا کہ ہم صدیوں تک سوتے رہے ہیں۔

مرنوش :- اب اس میں شک کی گنجائش بھی کیا ہے،

مشلینا :- افسوس ہے تمھارا دماغ بھی یلیخا کی طرح خراب ہوگیا ہے،

مرنوش :- ہاں ہوگیا ہوگا، لیکن یہ میں جانتا ہوں کہ ہمارے لئے اب اس نئی دنیا میں کوئی جگہ باقی نہیں ہے۔ آؤ مشلینا چلیں، یہاں زندگی بسر کرنا دشوار ہے۔

مشلینا :- تم بیوقوف ہو۔ مانا کہ یہ سب کچھ صحیح ہے، لیکن ابھی تو تم جوان ہو، میں بھی جوان ہوں۔ جبتک احساس نہ بدلے، زمانہ نہیں بدلتا، آؤ اس نئی دنیا میں اک نئی زندگی پھر شروع کریں،

مرنوش :- نئی زندگی ! آہ، وہ زندگی جو ماضی سے بالکل منقطع ہوجائے بالکل بیکار ہے۔ عدم محض ہے ہم لوگ زمانۂ حال کی چیز نہیں ہیں بلکہ ماضی کی ملکیت ہیں اور ہم کو اسی طرف لوٹ جانا ہے اے مشلینا الوداع

(مرنوش باہر جاتا ہے اور مشلینا متفکرانہ حالت میں کھڑا ہوا ہے کہ پریسکا اندر داخل ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے)

پریسکا :- (گھبراکر) ہائیں، یہ کون ہے ؟

مشلینا :- (آگے بڑھتے ہوئے) اے پریسکا آخرکار تم آہی گئیں۔

(پریسکا مبہوت کھڑی ہوئی ہے)

میں تو بڑی دیر سے تمھارا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن تم ایسی بھیانک کیوں دیکھ رہی ہو، بولو، پریسکا بولو

پریسکا :- (خوفزدہ آواز سے) اے قدیس،

مشلینا :- میں قدیس تو نہیں ہوں

پریسکا :- کیا تم وہ ڈراونی صورت والے قدیس نہیں ہو جس کو میں نے کل دیکھا تھا۔

مشلینا :- ہاں وہی ہوں ؛

پریسکا :- مگر آج تو تم بالکل بدل گئے، بڑھے سے جوان ہو گئے

مشلینا :- مگر پھر بھی تم نے مجھے نہیں پہچانا، حالانکہ میں تمھیں پہچانتا ہوں ،

پریسکا :- تم مجھے پہچانتے ہو۔ حیرت ہے۔ تم کون ہو،

مشلینا :- اے پریسکا، تو کیوں اس عورت کی طرح کہہ رہی ہے جو بیوفائی کرتی ہے اور سب کچھ بھلا دیتی ہے پھر ہو سکتا ہے کہ تو نے محبت کی خیانت کی ہو، لیکن میں یقین کرنے کے لئے طیار نہیں۔

پریسکا :- یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مجھ سے آج تک کسی نے ایسی باتیں نہیں کیں،

مشلینا :- تو کیا واقعی تم اپنا عہد واپس لینا چاہتی ہو

پریسکا :- عہد! واپس!! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟

مشلینا :- کیا تم نے یہ عہد نہ کیا تھا کہ سوائے میرے کسی اور سے شادی نہ کرو گی۔

پریسکا :- (حیرانی سے) اب مجھے بھی یقین آگیا کہ واقعی تم پاگل ہو

مشلینا :- (خشونت کے ساتھ) بیشک پاگل ہوں، لیکن پاگل ہونا خاین و بیوفا ہونے سے بہتر ہے۔

پریسکا :- تو میں بیوفا ہوں، میں نے خیانت کی ہے! بتاؤ کیا بیوفائی میں نے کی ہے میں کس خیانت کی مجرم ہوں،

مشلینا :- پریسکا! کیا تو پریسکا نہیں ہے؟

پریسکا :- ان فضول باتوں کو چھوڑ دو، یہ بتاؤ کہ میں نے کیا خیانت و بیوفائی کی ہے،

مشلینا :- جانے دو، تفریح ہو چکی (آگے ہاتھ بڑھاتے ہوئے) آؤ ادھر میرے پاس آؤ"

پریسکا :- (پیچھے ہٹتے ہوئے) کیا دماغ خراب ہو گیا ہے، الگ ہٹ کے بات کرو، یہ کیا تمیز ہے؟

مشلینا :- پریسکا یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ وہ شرم و حیا تمھاری کیا ہو گئی، وہ تمھاری ملکوتی آواز کی نرمی کہاں چلی گئی؟ وہ عہد محبت جو تم نے مجھ سے کیا تھا کیوں بھول گئیں۔

پریسکا :- پھر وہی دیوانگی کی باتیں شروع کر دیں،

مشلینا :- اچھا اگر تم نے عہد شکنی نہیں کی تو بتاؤ تم ابھی کس کے پاس تھیں

پریسکا :- اپنے باپ کے پاس اور کس کے پاس؟

مشلینا :- پریسکا، نہیں میرا مدعا یہ دریافت کرنا ہے کہ رات کو تم جس کے کمرے میں کچھ پڑھکر سُنا رہی تھیں وہ کون ہے!

پریسکا :— میرا باپ ہے۔ اور جب تک میں کچھ پڑھکر اسے سُناتی نہیں اسے نیند نہیں آتی

مشلینا :— تو کیا یہ دقیانوس نہیں ہے

پریسکا :— دقیانوس کو مرے ہوئے ۳۰۰ سال ہوگئے، میں اس کی بیٹی کیونکر ہو سکتی ہوں۔

(تھوڑے تامل کے بعد دفعتہً بلند آواز سے)

اچھا اب میں سمجھی کہ تم کس خبط میں مبتلا ہو،

مشلینا :— کیا، جلدی بتاؤ تم کیا سمجھیں؟

پریسکا :— تم جس پریسکا کا خواب دیکھ رہے ہو وہ میں نہیں ہوں، کوئی اور تھی،

مشلینا :— یہ کیا؟

پریسکا :— وہ یہ کہ تمھاری عمر ۳۰۰ سال کی ہے اور اتنی مدت تک تم غار میں سوتے رہے۔ وہ پریسکا جس کا خیال تم دل میں لئے ہوئے ہو وہ دقیانوس بت پرست کی بیٹی تھی جس نے دین مسیحی اختیار کر لیا تھا،

مشلینا :— اور صرف میری وجہ سے

پریسکا :— ہاں، میرا اتالیق ژالیاس یہ بھی کہتا ہے (اپنی گردن کی طلائی صلیب چھوتے ہوئے) یہ صلیب خواب میں آکر مسیح نے اس کو دی تھی

مشلینا :— اے پریسکا، یہ صلیب میں نے ہی تجھکو دی تھی، کیا تجھے یاد نہیں

پریسکا :— (مسکراتے ہوئے) اے مقدس راہب، تیری پریسکا کو مرے ہوئے ۳۰۰ سال ہو گئے۔

مشلینا :— (حیرت سے) پریسکا کو مرے ہوئے ۳۰۰ سال ہو گئے — یہ میں کیا سن رہا ہوں،

پریسکا :— لیکن تم کو خوش ہونا چاہئے کہ وہ آخر وقت تک اپنے عہد پر قایم رہی اور اسی کمرہ میں اس نے اپنی جان دی۔ کیا تم دونوں یہیں ملا کرتے تھے؟

مشلینا :— ہاں، ہاں، یہی کمرہ ہے اور یہی جگہ جہاں ہم اور وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنا دُکھ درد کہا کرتے تھے۔

پریسکا :— تو جاؤ اور اس پر آنسو بہاؤ، کیونکہ اب وہ نہیں ہے، (جانے لگتی ہے)

مشلینا :— (پریسکا کا دامن پکڑ کر) اے پریسکا، خدا کے لئے میرے پاس سے نہ جاؤ

پریسکا :— (دامن جھٹک کر) میں نے ابھی تم سے کہا نہیں کہ میں وہ پریسکا نہیں ہوں؟

مشلینا :— میں کیسے مان لوں کہ تم وہ پریسکا نہیں ہو، وہی نام، وہی صورت و شکل، وہی عمر اور وہی ....

پریسکا :- تم کو معلوم نہیں کہ جس وقت میں پیدا ہوئی تو کاہن نے مجھے دیکھ کر کہا تھا کہ میری صورت بالکل دقیانوس کی بیٹی کی سی ہے اور اس لئے میرا نام پریسکا رکھ دیا گیا، تم یہاں سے جاؤ، تمھاری پریسکا یہاں نہیں ہے،

(پریسکا واپس جانے لگتی ہے)

مشلینا :- (تنہا) یا اللہ، یہ وہ پریسکا نہیں ہے تو پھر کون ہے۔ کیا میں سو رہا ہوں، کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ کیا میں واقعی غار میں ۳۰۰ سال تک سوتا رہا۔ اے مرنوش تم کہاں ہو، اے یملیخا جواب دے۔ میں بھی تمھارے پاس آتا ہوں۔ تم نے سچ کہا تھا کہ ہمارا اس زمانہ سے کوئی واسطہ نہیں، ہم اسوقت زندہ رہنے کے اہل نہیں، اچھا تو میں آتا ہوں۔ گھبراؤ نہیں،

(چلا جاتا ہے اور غالیاس اندر داخل ہوتے ہوئے پریسکا سے ملتا ہے)

غالیاس :- (پریسکا سے) قدیس کہاں ہیں!

پریسکا :- گئے،

غالیاس :- اے شاہزادی اب اپنے کمرہ میں تشریف لیجائیے بہت دیر ہو گئی ہے،

پریسکا :- نہیں آج میں سونا نہیں چاہتی،

غالیاس :- یہ آپ یہاں کب اور کیونکر چلی آئیں، اتفاق سے میری آنکھ جھپک کر کھلی تو میں نے آپ کو نہ پایا۔

پریسکا :- غالیاس

غالیاس :- شاہزادی کیا ارشاد ہے

پریسکا :- غالیاس!

غالیاس :- کیا حکم ہے اے شاہزادی، فرمایئے

پریسکا :- نہیں کچھ نہیں، تم جاؤ سو جاؤ

غالیاس :- اور آپ یہاں تنہا رہیں گی

پریسکا :- ہاں

غالیاس :- اے شاہزادی یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے خیر تو ہے، میں نے تو اس حال میں آپ کو کبھی نہیں دیکھا؟

پریسکا :- کیا میں تم سے ایک راز کی بات کہوں، سنو گے

غالیاس :- کیوں نہیں اے شاہزادی

پریسکا :- تو سنو کہ میں نے اسے پالیا اور پھر چشم زدن میں ہاتھ سے کھو دیا

غالیاس :- اے شاہزادی کیا پالیا؟

پرِیسکا :۔ پالیا، نہیں۔ کھودیا اور ہمیشہ کے لئے۔ ہاں، مجھے کھو دینا چاہئے۔
غالیاس :۔ اے شاہزادی کچھ تو کہئے کہ آپ نے کیا چیز پائی تھی؟
پرِیسکا :۔ اپنے خواب کی تعبیر
غالیاس :۔ خواب، ہاں مجھے یاد آگیا کہ آپ نے ایک ڈراؤنے خواب کا ذکر کل مجھ سے کیا تھا، لیکن اے شاہزادی، خواب اور وہ بھی جوانی کے خواب قابل اعتبار نہیں ہوا کرتے، آپ کیوں اتنی پریشان ہیں
پرِیسکا :۔ (حسرت کے لہجہ میں ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے) جوانی کے خواب! قابل اعتبار نہیں ہوا کرتے اے غالیاس، تو نے سچ کہا،
غالیاس :۔ آپ نے یہی خواب دیکھا تھا نا کہ خدانخواستہ، دشمنوں کو کسی نے زندہ دفن کردیا ہے۔
پرِیسکا :۔ ہاں کل یہی خواب دیکھا تھا اور آج اس کی تصدیق بھی ہو گئی
غالیاس :۔ (گھبرا کر) یہ کیا، میں بالکل نہیں سمجھا اے شاہزادی
پرِیسکا :۔ کچھ نہیں، تم جاؤ،
غالیاس :۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، آپ تو بالکل انھیں قدیسیوں کی سی گفتگو کر رہی ہیں
پرِیسکا :۔ اے غالیاس تم کیوں اُن کی توہین کرتے ہو،
غالیاس :۔ حاشا، یہ آپ نے کیا فرمایا، میں اور قدیسیوں کی توہین! میں تو صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ قدیسیوں کے لئے بہتر جگہ آسمان ہے نہ یہ کہ وہ زمین پر اُتر آئیں
پرِیسکا :۔ ہاں وہ زمین پر اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ آسمان پر لیجائیں
غالیاس :۔ یہ بڑی سعادت ہے اگر کسی کو نصیب ہوجائے
پرِیسکا :۔ بیشک یہ بڑی سعادت ہے لیکن اس خواہش کا پورا ہونا بہت دشوار،
غالیاس :۔ لیکن اے شاہزادی، کسی کو معلوم ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ کیا کاہن نے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ پریسکا سے بہت زیادہ مشابہ ہیں، پھر کیا یہ مشابہت بغیر کسی سبب کے ہوسکتی ہے
پرِیسکا :۔ میں نہیں سمجھی اس سے تمہارا کیا مطلب ہے
غالیاس :۔ اے شاہزادی میں سمجھتا ہوں کہ آپ ان قدیسیوں کی نائب و خلیفہ ہوں گی
پرِیسکا :۔ خلیفہ! اُن کی نائب و خلیفہ، اے غالیاس تو پاگل تو نہیں ہوگیا ہے۔ میں اس مصیبت سے موت کو ترجیح دوں گی
غالیاس :۔ مصیبت، یہ آپ کیا فرماتی ہیں، توبہ کیجئے، توبہ!

پریسکا :- غالیاس، تم بیوقوف ہو، بالکل نہیں سمجھتے، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے مجھ سے کیا کیا باتیں کیں اور میرے دل کا کیا حال ہے۔ (رونے لگتی ہے)

غالیاس :- اے شاہزادی! خدا کے لئے مجھے بتائیے کہ اس نے کیا کہا اور آپ کیوں رو رہی ہیں؟

پریسکا :- اس نے کہا کہ دقیانوس کی بیٹی پریسکا وفادار تھی اور میں نہیں ہوں، اس کی آواز میں ملکوتی نرمی تھی اور میری آواز میں نہیں ہے، وہ حیا اور غیرت والی تھی اور میں ایسی نہیں ہوں۔

غالیاس :- اے شاہزادی کیا یہ قدیس اُس سے واقف ہے

پریسکا :- (غضبناک ہوکر) عجیب احمق ہو، یہ قدیس اس سے محبت کرتا تھا اور وہ اس سے۔ اسی قدیس نے اس کو یہ طلائی صلیب دی تھی اور وہ آخر وقت تک اس کا انتظار کرتی رہی

غالیاس :- مشلینا قدیس بہت عجیب وغریب انسان ہے۔

پریسکا :- ہاں، مشلینا، یہ خوبصورت نوجوان میری پردادی پریسکا کا منگیتر ہے اور اب بھی اس کی محبت کا وہی عالم ہے۔ اچھا اب تم جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑدو

غالیاس :- ٹھیک ہے "کتاب راہبن" میں لکھا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی زمانہ میں پائے جاتے تھے:

پریسکا :- (بگڑکر) میں نے تم سے کہا نہیں کہ چلے جاؤ

(غالیاس چلا جاتا ہے، پریسکا ایک ستون پر سر رکھ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور مشلینا پھر داخل ہوتا ہے)

پریسکا :- (گھبراکر) ہائیں، تم پھر لوٹ آئے، میں نے تم سے کہا نہیں کہ میں وہ پریسکا نہیں ہوں

مشلینا :- (نہایت سنجیدگی سے) میں جانتا ہوں

پریسکا :- پھر کیوں واپس آئے

مشلینا :- میں اس جگہ سے دور نہیں رہ سکتا

پریسکا :- اس لئے کہ اس کی یادگار چیزیں تمہیں یہاں نظر آتی ہیں

مشلینا :- کسکی

پریسکا :- جس سے تم محبت کرتے تھے

مشلینا :- مگر وہ مری کب ہے

پریسکا :- یہ کیا،

مشلینا :- مرا تو میں ہوں

پریسکا :— (ڈر کر) یہ تم مجھے کس طرح دیکھ رہے ہو کیا تم اس کی تمثال و شبیہ سمجھکر میرے پاس رہنا چاہتے ہو میں کبھی اس کو گوارا نہ کروں گی

مشلینا :— کاش تم تمثال ہوتیں۔ مگر تم تو زندہ ہو

پریسکا :— جاؤ، جاؤ، مجھ سے دور رہو، میرا دل اُلٹا جاتا ہے،

مشلینا :— ڈرو نہیں، میں جانتا ہوں کہ میرے تمھارے درمیان ۳۰۰ سال کا فاصلہ حایل ہے۔

پریسکا :— اے قدیس میں خوب سمجھتی ہوں کہ تم میری شخصیت کو اُس کی شخصیت سے ملانا چاہتے ہو، تم مجھے نہیں دیکھتے بلکہ اس کو میرے اندر دیکھ رہے ہو تمھارے نزدیک وہ نہیں مری ہے، بلکہ میں مرگئی ہوں، جاؤ یہاں سے نکل جاؤ، میں اب برداشت نہیں کرسکتی۔

مشلینا :— پریسکا — پریسکا!

پریسکا :— تم میرا نام اس طرح نہ لو جس طرح اس کا لیا کرتے تھے، مجھ سے تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے،

مشلینا :— نہیں، بیشک نہیں ہے،

پریسکا :— پھر کیوں واپس آئے اور یہاں ٹھہرنے سے کیا فایدہ

مشلینا :— بیشک، کوئی فایدہ نہیں۔ (محبت آمیز عمیق نگاہوں سے پریسکا کو دیکھتا ہے)

پریسکا :— مجھے کیوں اس طرح گھور رہے ہو ایسی نگاہوں سے مجھے کیوں دیکھ رہے ہو جبکہ میرے تمھارے درمیان کوئی علاقہ نہیں ہے۔

مشلینا :— بیشک نہیں ہے، ۳۰۰ سال کا فاصلہ بہت ہوتا ہے۔ بڑا فرق ہے،

پریسکا :— یہ فرق ۳۰۰ سال ہی کا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ تمھاری پریسکا کی آواز میں ملکوتی نرمی تھی اور مجھ میں نہیں ہے، وہ عمیق قلب رکھتی تھی اور میں نہیں رکھتی، وہ غیرت و حیا والی تھی اور میں نہیں ہوں۔ تم اسی زمانہ میں اسی کے پاس واپس جاؤ، اب اس زمانہ میں یہ ساری چیزیں تمھیں نہیں مل سکتیں۔

مشلینا :— پریسکا — !

پریسکا :— میں نے ابھی تم سے کہا کہ مجھے اس طرح نہ پکارو، مجھے اس نام سے نفرت ہے

مشلینا :— لیکن یہ تو تمھارا ہی نام ہے۔

پریسکا :— یہ بھی میری بدقسمتی ہے، کاش میرا نام کچھ اور ہوتا میری صورت کچھ اور ہوتی۔

مشلینا :— اگر ایسا ہوتا تو پھر میں تمھیں کہاں سے پاتا اور میرا بھی وہی حشر ہوتا جو مرنوش اور یملیخا کا ہوا۔

پریسکا :۔ پھر تم نے ذہی کہا، یہ کہو کہ تم نے اس کو پایا، مجھے نہیں،

مشلینا :۔ ہاں، سچ کہتی ہو، اسی کو پایا

(پریسکا رونے لگتی ہے)

مشلینا :۔ ہائیں، تم رو رہی ہو، میں نے تو تمھیں روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا،

پریسکا :۔ بیشک نہ دیکھا ہوگا، کیونکہ فرشتے نہیں روتے، وہ اتنے نازک ہوتے ہیں کہ رونا برداشت نہیں کر سکتے، آنسو کا ایک قطرہ ان کی لطیف ساخت کو مٹا دینے کے لئے کافی ہے۔

مشلینا :۔ پھر تم کیوں روئیں

پریسکا :۔ (آنسو پونچھتے ہوئے) میں تو نہیں روئی

مشلینا :۔ اور یہ آنسو کیسے نکلے

پریسکا :۔ تمھاری بینائی زایل ہوگئی ہے

مشلینا :۔ سچ ہے، میں اندھا ہوں، لیکن تاریکی سے نہیں، روشنی کی زیادتی سے۔ میری بینائی نور کی کثرت سے زایل ہوئی ہے اور میرے سامنے اب آثار و حقایق کوئی چیز نہیں ہیں۔ ۳۰۰ سال کا زمانہ مجھے صرف ایک لمحہ نظر آتا ہے، میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ تمھارے سامنے ہوں، میرا دل کتنا مسرور ہے کہ تم میرے سامنے ہو۔

پریسکا :۔ (جاتے ہوئے) اچھا تو تم یہاں رہو، میں جاتی ہوں۔

مشلینا :۔ اور میں ؟

پریسکا :۔ یہ میں کیا جانوں۔ مجھے اس سے کیا واسطہ

مشلینا :۔ ابھی نہ جا، اے پریسکا رحم کر، اتنی جلدی نہ کر

پریسکا :۔ آخر تمھارا ارادہ کیا ہے، تم چاہتے کیا ہو ؟ کیا تمھارے آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

مشلینا :۔ ہاں، یہ پردے میں اُٹھانا نہیں چاہتا، کیونکہ ایسا کرنا موت کو بلانا ہے۔ پھر تم کیا چاہتی ہو کہ میں مر جاؤں

پریسکا :۔ اگر میں تمھاری جگہ ہوتی تو یقیناً میں سماوی دنیا میں اسکی رُوح سے ملنے کی کوشش کرتی۔

مشلینا :۔ میں اب بھی اُسی سماوی دُنیا میں ہوں اور تیرے ساتھ ہوں۔

(پریسکا بگڑ کر جانے لگتی ہے)

مشلینا :۔ پریسکا، خدا کے لئے مجھے یوں تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں جہنم میں گر جاؤں گا

پریسکا :۔ (اپنی گردن سے طلائی صلیب نکالکر) لو یہ میں تمکو ایک چیز دیتی ہو جو جہنم میں گرنے سے باز رکھے گی۔

مشلینا :۔ ہاں، یہی وہ صلیب ہے جو میں نے تجھے تحفتاً دی تھی۔

پرسیکا :- (صلیب آگے بڑھاتے ہوئے) بلکہ میں بھی وہی ہوں جسکو یہ تحفہ دیا گیا تھا، لیکن اب میں اسے واپس کرتی ہوں

مشلینا :- یہ چیز تو تمھاری ہے

پرسیکا :- ہوگی، لیکن میں اسے نہیں رکھ سکتی، اب یہ میرے جسم کو افعی کی طرح ڈستی ہے،

(اس کے ہاتھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

کیا یہ ہات وہ نہیں ہیں جنھوں نے ۳۰۰ سال قبل اس صلیب کو اس کے گلے میں ڈالا تھا

مشلینا :- (حیرت سے) ۳۰۰ سال

پرسیکا :- اور کیا یہ وہ بانہیں نہیں ہیں جو اس کی نازک کمر میں حمایل ہوئی تھیں

مشلینا :- پرسیکا یہ تم کیا کہ رہی ہو

پرسیکا :- اور کیا یہ وہ لب نہیں ہیں، جو ———— ؟

مشلینا :- چُپ رہو، خدا کے لئے چپ رہو

پرسیکا :- اے میری پردادی کے منگیتر، کیوں ڈرتے ہو، خوف کی کیا بات ہے

مشلینا :- میں اب یہ باتیں نہیں سُن سکتا،

پرسیکا :- لیکن انھیں ہاتھوں سے تم میرے جسم کو چھونا ضرور چاہتے ہو۔ (اپنے جسم کی طرف اشارہ کرکے) اے میری پردادی کے محبوب کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ جسم جس کے چھونے کے لئے تم اتنے بیتاب ہو اس کی کیا عمر ہے؟ اس پر ابھی صرف بیس بہاریں گزری ہیں

مشلینا :- (آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے) پرسیکا، چپ رہو، یہ تم کیا کہہ رہی ہو

پرسیکا :- یہ میں وہ کہہ رہی ہوں جس کا اس جسمانی و مادی دنیا میں کہنا ضروری ہے اور جس کے تلخ احساس کا انسان کو ہر وقت منتظر رہنا چاہئے

مشلینا :- بیشک سچ ہے اے پرسیکا، مرنوش اور یملیخا نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم لوگ صرف زمانۂ ماضی کی ملکیت ہیں اور ہمارا حصہ اب اس دنیا میں کوئی نہیں، اچھا رخصت ــــ خدا حافظ

(مشلینا آہستہ آہستہ قدموں کے ساتھ باہر جانے لگتا ہے، پرسیکا حسرت آلود نگاہوں سے دیکھتی رہتی ہے اور جب وہ چلا جاتا ہے تو آہستہ سے خود بھی "خدا حافظ" کہتی ہے)

چوتھا ایکٹ

(رقیم کا غار - چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی - یلیخا اور مرنوش مردوں کی طرح خاموش لیٹے ہوئے ہیں اور کتا بھی انھیں کے پاس بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے - ہر طرف گہرا سکون ہے -)

مشلینا :- (کمزور آواز سے) مرنوشس، (کوئی جواب نہیں ملتا) یلیخا، (کوئی جواب نہیں) میں موت کے آثار محسوس کر رہا ہوں (پھر کوئی جواب نہیں)۔ اے مرنوش، ہم کہاں ہیں؟ غار میں ہیں، کیا اب کبھی اسکو نہ چھوڑیں گے، اے مرنوش ہم کتنے دن یہاں رہے - یہی کوئی ڈیڑھ دو دن (کوئی جواب نہیں) اے یلیخا وہ کھانا کہاں ہے جو تو لینے گیا تھا، مجھے بھوک لگی ہے میں مرا جا رہا ہوں (کوئی جواب نہیں) - میرا دم گھٹا جا رہا ہے - ہم بہت سوئے - اے نامعقولو، اب اُٹھو گے بھی یا نہیں - (مرنوش کو پکڑ کر جھنجھوڑتا ہے)

مرنوش :- (نہایت کمزور آواز سے) اونہہ، یہ کون ہے؟

مشلینا :- میں ہوں مشلینا

مرنوش :- مجھے چھوڑ دو ہاتھ نہ لگاؤ، آہ - آہ،

مشلینا :- کیوں کیا ہوا، بیمار ہو، کراہتے کیوں ہو؟ سنو تو سہی میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے؟

مرنوش :- کیا؟

مشلینا :- میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ عجیب و غریب وضع کے غار کے اندر داخل ہوئے اور ہمیں قصر شاہی تک لیگئے وہاں پہونچکر ہم نے ہر چیز بدلی ہوئی پائی - میں نے وہاں پریسکا، اپنی پریسکا کو بھی دیکھا لیکن اسنے مجھے پہچانا نہیں، وہ کہتی ہے کہ پریسکا کو مرے ہوئے ۳۰۰ سال کا زمانہ گزر گیا - گویا ہم اتنی مدت تک سوتے ہی رہے -

مرنوش :- تم اسے خواب کہتے ہو؟ بیوقوف یہ حقیقت ہے -

مشلینا :- بیوقوف تم ہو جو اسے حقیقت کہتے ہو، یہ کیونکر ممکن ہے کہ ۳۰۰ سال تک سوتے رہنے کے بعد بھی جب اُٹھوں تو اپنی پریسکا کو زندہ دیکھوں

مرنوش :- ہاں میں نے بھی ایسا ہی ایک خواب دیکھا ہے -

مشلینا :- وہ کیا؟

مرنوش :- وہ یہ کہ میں بھی اپنے مکان پر پہونچا اور دیکھا کہ جہاں میرا گھر تھا اب وہاں بازار آباد ہے، اور ۴۰۰ سال ہوئے کہ میرا بیٹا ۶۰ سال کی عمر تک پہونچکر مر گیا، چنانچہ ان آنکھوں سے میں نے خود اس کی قبر دیکھی

مشلینا :- تمھارا بیٹا ۶۰ سال کا ہوکر مرا اور تم ابھی چالیس ہی سال کے ہو۔ یہ خواب نہیں تو کیا حقیقت ہے اچھا یملیخا سے پوچھو۔ یملیخا ۔ اے یملیخا

یملیخا :- (کمزور آواز سے) یہ کون ہے؟ مجھے کون پکار رہا ہے

مشلینا :- یملیخا، جاگو، ہم غار میں ہیں اور اب جاگے ہیں

یملیخا :- کیوں، کیا کہتے ہو۔ اب ہم جاگ کر کیا کریں گے، جو کچھ دیکھ چکے ہیں اس کے بعد اب زندہ رہنا بیکار ہے

مرنوش :- تم نے بھی کچھ دیکھا ہے، بتاؤ کیا دیکھا

یملیخا :- اب کیا بتاؤں، شہر طرسوس بدل گیا، ساری دنیا بدل گئی، نہ میں وہ رہا نہ میرا کتا قطمیر اب وہ کتا رہا

مشلینا :- عجیب بات ہے،

مرنوش :- کیا تمھاری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ ہم تینوں ایک ہی قسم کا خواب دیکھیں۔ اے عقلمند یہ سب حقیقت ہے۔ ہم لوگ واقعی غار سے باہر نکلے تھے اور پھر وہاں سے یہاں غار میں مرنے کے لئے واپس آگئے یہ آخر تم کیونکر کہتے ہو کہ یہ سب خواب تھا

مشلینا :- اچھا اگر وہ خواب نہیں تھا تو جو کچھ اسوقت دیکھ رہے ہیں وہ خواب ہے۔

مرنوش :- یہ بھی خواب نہیں ہے، خواب تو وہ تھا جس میں پورے ۳۰۰ سال ہم نے بسر کر دئے۔

مشلینا :- شکر ہے کہ یہ خواب تھا ورنہ اتنا زمانہ پریسکا کو دیکھے بغیر کیونکر بسر ہوتا

(دفعتاً یملیخا کے کراہنے کی آواز آتی ہے)

مرنوش :- یملیخا یہ کیا ہوا، خیر تو ہے،

مشلینا :- کیا کچھ بیمار ہو؟

یملیخا :- (کراہتے ہوئے) آہ، یا اللہ رحم کر

(دونوں اسے پکڑ کر اٹھاتے ہیں لیکن وہ پھر گر پڑتا ہے)

مشلینا :- "یملیخا۔ یملیخا"

یملیخا :- آہ، میں اب مر رہا ہوں لیکن تم لوگ گواہ رہنا کہ میں دین مسیحی پر مر رہا ہوں — (تھوڑی دیر کے بعد)

مرنوش :- یملیخا، (کوئی جواب نہیں)

مشلینا :- (یملیخا کے جسم کو جنبش دیکر) یملیخا - (کوئی جواب نہیں)

مرنوش :- غریب مرگیا - ذرا اس کے منہ پر چادر ڈال دو -

مشلینا :- چادر، چادر کہاں ہے ؟

مرنوش :- میرے کپڑوں میں ڈھونڈھو

(مشلینا اِدھر اُدھر ٹٹول کر ایک چادر لاتا ہے)

مشلینا :- ارے چادر ملگئی - یہ کیونکر ممکن ہے -

مرنوش :- اے مشلینا، یہ کپڑے ہمارے خواب کے زمانہ کے ہیں -

مشلینا :- سچ کہتے ہو اے مرنوش

مرنوش :- پھر بولو اب کیا کہتے ہو - اب بھی تمھیں شک ہے ؟

مشلینا :- کس بات کا

مرنوش :- یہ کہ جو کچھ ہم نے دیکھا وہ خواب نہ تھا بلکہ حقیقت تھی -

مشلینا :- (سہما ہوا) حقیقت ! حقیقت !!

مرنوش :- تم اسی خواب و حقیقت کی فکر میں مبتلا رہو، مجھے تو اب موت کا کوئی ڈر نہیں رہا کیونکہ میرا دل پہلے ہی مرچکا ہے - تم مجھے دھوکا دے سکتے ہو کہ یہ حقیقت نہیں خواب ہے، عقل بھی دھوکا دیسکتی ہے کہ یہ سب کچھ سراب ہے، لیکن میرا دل مجھے کیونکر دھوکا دیسکتا ہے - وہ مرچکا ہے، ایک حقیقی موت اس پر طاری ہو چکی ہے اور اب میں بھی مرنا چاہتا ہوں،

مشلینا :- مرنوش، تمھاری مرضی، لیکن میرا دل تو ابھی تک زندہ ہے اور اس لئے میں مرنے کے لئے طیار نہیں -

مرنوش :- سچ ہے دل جب تک زندہ ہے، امیدیں بھی ہیں، امیدوں کے خواب بھی ہیں - لیکن اے مشلینا سچ بتاؤ، تم اب کس تمنا کے لئے زندہ رہنا چاہتے ہو -

مشلینا :- تمنا تو کوئی نہیں ہے، لیکن اے مرنوش میں یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ مجھے کسی سے محبت ہے اور صرف محبت کرنے کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں،

مرنوش :- مشلینا، تم پاگل ہوگئے، تمھارا دماغ خراب ہوگیا ہے،

مشلینا :- ہوگا، لیکن میں جانتا ہوں کہ میں جوان ہوں، میرا دل جوان ہے، زندہ ہے، پھر میں کیونکر اپنے دل اور اپنے آپ کو زندہ دفن کردوں جبکہ میرے اور اُس کے درمیان کوئی چیز حایل بھی نہیں ہے -

مرنوش :- تمھارے اور اس کے درمیان سب سے بڑی وہ چیز حایل ہے جسے زمانہ کہتے ہیں اور زمانہ کا مقابلہ ممکن نہیں۔ مصر نے زمانہ کا مقابلہ اپنے شباب سے کیا، لیکن زمانہ نے عین شباب ہی کے عالم میں اسے ہلاک کر کے رکھدیا۔ مشلینا، تم کیوں نہیں سمجھتے کہ تم اب مر گئے ہو۔ (سکوت)

مشلینا :- (آپ ہی آپ، آہستہ آہستہ) زمانہ — زمانہ!

مرنوش :- (نہایت دھیمی آواز سے) مشلینا اب میں مر رہا ہوں، میرا ہاتھ یملیخا کے ہاتھ میں دیدو، آہ غریب یملیخا مر گیا اور حقیقت کے علم سے بیخبر رہکر مر گیا۔ لیکن میں نے اس کو کیا سمجھا ہے کہ وہ سمجھتا۔

مشلینا :- مرنوش، یہ تم کیا کہہ رہے ہو

مرنوش :- میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ہم زمانہ کا خواب ہیں اور ہمیں خواب ہی کی طرح مٹ جانا ہے۔

مشلینا :- مٹ جانا ہے! بالکل مٹ جانا ہے؟ ہمارا کوئی نشان باقی رہنے والا نہیں،

مرنوش :- رہنے والا ہے مگر صرف تاریخ کی کتابوں میں،

مشلینا :- تو کیا ہماری حیات اُخروی کوئی چیز نہیں

مرنوش :- کوئی چیز نہیں

مشلینا :- تو کیا تم "بعث بعد الموت" کے قایل نہیں ہو

مرنوش :- احمق "بعث بعد الموت" کا حال تم ابھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ چکے

مشلینا :- توبہ کرو، توبہ، تم مسیحی ہو، اور اپنا ایمان کیوں چھوڑے دیتے ہو

مرنوش :- ہاں میں سب کچھ چھوڑ کر مرنا چاہتا ہوں۔ ایمان، عقیدہ، احساس، افکار سب سے علحدہ ہو کر جان دینا پسند کرتا ہوں۔ مشلینا لاؤ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔ میں اب جا رہا ہوں

مشلینا :- لاحول ولا۔ میں ایک کافر و بت پرست کے ہاتھ میں ہاتھ دینا کبھی پسند نہیں کرتا۔

(مرنوش اسکی طرف آخری نگاہ ڈالتا ہے اور مرجاتا ہے)

پانچواں ایکٹ

(غار کی طرف پریسکا اور غالیاس دونوں آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں، اور قریب آکر دونوں ٹھہر جاتے ہیں)

پریسکا :- (گھبرا کر) غالیاس، کچھ تم نے سنا

غالیاس :- نہیں، میں نے تو کچھ نہیں سنا، شاہزادی

پریسکا :- اونہہ، تمہارے کان بھی اب کام نہیں دیتے۔ کیا غار کے اندر سے تمہیں کراہ کی آواز نہیں آئی، وہ دیکھو پھر آئی!

غالیاس :- شہزادی، ایک مہینہ ہوگیا کہ یہ لوگ غار کے اندر بے آب و دانہ پڑے ہوئے ہیں، اب آواز کیسی؟

پریسکا :- نہیں میں نے ضرور غرغراہٹ کی سی آواز سنی ہے، جیسے کوئی شخص دم توڑ رہا ہو

غالیاس :- نہیں شاہزادی یہ ہمارے قدموں کی آواز ہوگی

پریسکا :- کیا تم نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ جو کچھ میں کہوں گی اس پر عمل کروگے

غالیاس :- بیشک میں نے کہا تھا اور میں تعمیل کے لئے حاضر ہوں

پریسکا :- اچھا تو چلو میرے ساتھ غار کے اندر۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ یہ آواز کس کی ہے

غالیاس :- لیکن اے شاہزادی آج عید کا دن ہے اور بادشاہ آپ کو ضرور یاد کریں گے

پریسکا :- میں بیماری کا بہانہ کر آئی ہوں اور بادشاہ مجھے طلب نہیں کرے گا۔

(غار کے اندر سے ایک آواز آتی ہے)

پریسکا :- غالیاس، تم نے سنا، پھر وہی آواز آئی

(پریسکا آگے بڑھتی ہے۔ غالیاس اس کا دامن پکڑتا ہے، اور وہ جھٹکا دیکر آگے قدم بڑھاتی ہے — پھر آواز آتی ہے جیسے کوئی "پریسکا" "پریسکا" کہکر پکار رہا ہے)

پریسکا :- کیا تم زندہ ہو، مشلینا بولو کیا تم زندہ ہو — اے غالیاس جلدی جاؤ اور پانی یا دودھ جو کچھ ملے فوراً لاؤ

(غالیاس باہر جاتا ہے)

مشلینا :- اے پریسکا اب یہ سب بیکار ہے

پریسکا :- بیکار نہیں ہے، میں تمھیں مرنے نہ دوں گی، میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ اے مشلینا تمھیں زندہ رہنا ہوگا اپنے لئے نہیں تو میرے لئے۔

مشلینا :- لیکن زمانہ میرے تمھارے درمیان حایل ہے

پریسکا :- زمانہ! زمانہ کیسا؟ دل زمانہ سے زیادہ قوی چیز ہے،

مشلینا :- آہ، کیا یہ میں کوئی دوسرا دلچسپ خواب دیکھ رہا ہوں،

پریسکا :- یہ خواب نہیں حقیقت ہے، اُٹھو جلدی اُٹھو، میں پریسکا ہوں اور ممکن ہے کہ تمھاری پریسکا ہوں۔

مشلینا :- یہ میں کیا سُن رہا ہوں

پریسکا :- مشلینا، اُٹھو، جلدی اُٹھو،

(مشلینا اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر گر پڑتا ہے۔ پریسکا آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے بازو پر رکھ لیتی ہے)

پریسکا :- (سر جھکا کر مشلینا کے چہرہ کو دیکھتے ہوئے) مشلینا، میری تمھاری محبت کو تین سو سال کا زمانہ گزر چکا ہے اور لا نہایت تک اس محبت کو قایم رہنا ہے، اُٹھو، اُٹھ نہیں سکتے تو کچھ منھ سے کہو، مجھے معلوم تو ہو کہ جو کچھ میں کہتی ہوں اس کا تمھیں یقین ہے

(مشلینا کے مُنھ سے ایک کراہ کی آواز پیدا ہوتی ہے)

پریسکا :- (غور سے اس کے چہرہ کو دیکھتے ہوئے) افسوس وقت گزر گیا۔ اچھا اے مشلینا، اب سو رہو آرام کرو، انتظار کی گھڑیاں بہت سخت ہوتی ہیں، لیکن میں انھیں خوشی سے کاٹ دوں گی کیونکہ اب مجھے تم سے جس دنیا میں ملنا ہے وہ وقت و زمانہ کی دسترس سے دور ہے،

(پریسکا، مشلینا کا سر آہستہ سے زمین پر رکھ دیتی ہے اور خاموش ایک کونہ میں کھڑی ہو کر رونے لگتی ہے — غالیاس گھبرایا ہوا ایک برتن ہاتھ میں لئے ہوئے داخل ہوتا ہے)

غالیاس :- اے شہزادی یہ تھوڑا سا دودھ ملگیا ہے — (پریسکا کو روتے ہوئے دیکھ کر گھبرا اٹھتا ہے) ہائیں یہ کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو،

(پریسکا کوئی جواب نہیں دیتی)

غالیاس :- (مشلینا کی لاش کو دیکھ کر) افسوس، جو ہونا تھا ہو چکا

پریسکا :- (گریہ آلود آواز میں) ہاں، ہو چکا

غالیاس :- مگر اے شاہزادی، مشلینا کی وفات کو تو کئی ہفتے ہو گئے ہوں گے

پریسکا :- کاش ایسا ہی ہوتا

غالیاس :- پھر اے شہزادی اب رونے سے فایدہ

پریسکا :- اے غالیاس، میں اپنے لئے نہیں رو رہی ہوں، تجھے معلوم ہے میں خود یہاں اس حال میں آنا پسند نہیں کرتی تھی کہ اسے زندہ پاؤں اور اسی لئے میں نے پورے ایک مہینہ تک انتظار کیا۔ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اس عالم میں، میری اس کی محبت کا اجتماع ناممکن ہے۔

غالیاس :- اسی سے تو کہتا ہوں کہ اب گریہ وزاری بیکار ہے،

پریسکا :- آہ، اے غالیاس، کاش تم سمجھ سکتے، تم میں کوئی احساس محبت کا ہوتا۔ اے شقی، میں تو اس مسرور لمحہ کو رو رہی ہوں، جو مجھے نصیب تو ہوا، لیکن بجلی کی طرح آن کی آن میں ختم ہوگیا۔ میں یہاں آئی تو میں نے مشلینا کو زندہ پایا۔ اس نے مجھے پہچانا، لیکن میں اس کو سمجھا ہی رہی تھی کہ میں حقیقتاً وہی پریسکا ہوں جس سے تین سو سال اس طرف اس نے محبت کی تھی۔ ہاں میں یہ سمجھا ہی رہی تھی کہ وقت آگیا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، لیکن خیر، کوئی حرج نہیں میں اس سے اب ایک ایسے عالم میں ملوں گی جہاں نہ وقت کبھی ختم ہوتا ہے اور نہ محبت۔

غالیاس :- (گھبراکر) دوسرے عالم میں

پریسکا :- ہاں، ہاں، دوسرے عالم میں

غالیاس :- سچ ہے اے شہزادی، مجھے آپ کے ایمان سے ایسے ہی اعتقاد کی توقع ہے،

پریسکا :- بیوقوف، اس کا تعلق ایمان سے نہیں بلکہ محبت سے ہے

غالیاس :- محبت ؟ محبت سے اس سے کیا واسطہ، اے شاہزادی یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی،

پریسکا :- کاش تم نے اوراشیا ہی کا قصہ پڑھا ہوتا تو تم سمجھ سکتے کہ محبت کیا چیز ہے۔

غالیاس :- اے شاہزادی وہ قصہ کیا ہے۔

پریسکا :- اوراشیا ایک ماہی گیر تھا جو روز اپنی کشتی میں بیٹھ کر سمندر میں جاتا اور جال سے مچھلیاں پکڑ کر لاتا، ایک مرتبہ سارا دن گزر گیا لیکن کوئی مچھلی اسے نہ ملی۔ آخری مرتبہ جب اس نے جال ڈالا تو ایک کچھوا ملا لیکن اس خیال سے کہ یہ بہت مقدس چیز ہے اور سمندر کا بادشاہ اسے بہت محبوب رکھتا ہے، اس کو چھوڑ دیا، اس کے بعد اس نے پھر جال پانی میں نہیں ڈالا اور خاموش بیٹھ گیا۔ لیکن فوراً ہی اس پر نیند کا غلبہ ہوا اور ہوا کے تھپیڑے کشتی کو کہیں سے کہیں لے گئے، کچھ دیر بعد دفعتہً اسے کسی نے شانہ پکڑ کر ہلایا، اُسنے دیکھا کہ ایک نہایت ہی حسین وجمیل بنت البحر اس کے سرہانے کھڑی مسکرا رہی ہے

اس نے اوراشیما سے کہا کہ "میں سمندر کے بادشاہ کی بیٹی ہوں اور اس نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں تمہارا شکریہ ادا کروں کیونکہ تم نے مقدس کچھوے کو ہلاک نہیں کیا۔ یہ کہکر بنت البحر اسے اپنے ساتھ اپنے باپ کے محل میں لے گئی جہاں ہر چیز لولو و مرجان کی تھی سمندر کے بادشاہ نے اس کی بڑی مدارات کی اور اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دی۔ جب تین سال اسی لطف و مسرت میں بسر ہو چکے تو اوراشیما کو ایک دن خیال آیا کہ وہ تو شکار کرنے کیلئے آیا تھا اور پھر گھر واپس نہیں گیا۔ اس کے بیوی بچے کیا کہتے ہوں گے۔ یہ خیال آتے ہی وہ بیچین ہو گیا اور بنت البحر سے کہا کہ اگر اجازت دو تو ایک دن کے لئے وطن جاکر اپنے اہل و عیال کو دیکھ آؤں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس مرتبہ واپس آنے کے بعد پھر کبھی نہیں جاؤں گا۔

بنت البحر آبدیدہ ہو گئی اور بولی کہ "جانے کو تم چلے جاؤ لیکن مجھے ڈر ہے کہ اب تم سے میں کبھی نہ مل سکوں گی۔ تاہم میں تمھیں ایک صندوقچہ دیتی ہوں جو واپسی میں تمہاری مدد کریگا لیکن تم اسے کھولنا نہیں چاہے کچھ ہو، ورنہ پھر ملنے کی کوئی صورت باقی نہ رہیگی"

اوراشیما نے وعدہ کیا کہ وہ کبھی اس کو نہ کھولے گا اور صندوقچہ لیکر اپنے وطن واپس آیا۔ یہاں آکر دیکھا تو ہر چیز بالکل بدلی ہوئی پائی، آدمی نئے، وضع و قطع نئی۔ وہ حیران رہگیا کہ کیا ماجرا ہے اس نے بہت کوشش کی کہ اپنا گھر ڈھونڈھ نکالے مگر کامیاب نہ ہوا۔ اتفاق سے اُسے ایک نہایت ہی ضعیف شخص نظر آیا اور اس سے پوچھا کہ "اوراشیما کے گھر والوں کا بھی کچھ حال تمھیں معلوم ہے۔" بڈھا یہ سنکر حیران رہگیا اور بولا کہ "اے جوان تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ چارسو سال ہوئے کہ اوراشیما شکار کے لئے نکلا تھا اور پھر واپس نہیں آیا۔ قبرستان میں جاؤ ممکن ہے اس کی یادگار میں کوئی پتھر اس کے خاندان والوں نے نصب کر دیا ہو"

یہ سنکر اوراشیما ہنسا اور سمجھا کہ بڈھا مذاق کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کو گئے ہوئے صرف تین سال ہوئے تھے لیکن رفتہ رفتہ اس کو ہوش آیا کہ اگر اتنا زمانہ نہیں گزرا تو شہر کا شہر کیونکر بالکل بدل گیا دفعتاً اس کو صندوقچہ کا خیال آیا اور سوچا کہ ممکن ہے اس کے کھولنے سے اس راز کا پتہ چل سکے آخرکار اس نے بیتاب ہوکر اس صندوقچہ کو کھولا۔

نالیاس :- "کھول ڈالا"

پریسکا :- "ہاں، کھول ڈالا"

نالیاس :- "پھر اس نے کیا دیکھا"

پریسکا :- صرف سفید سا ٹھنڈا دھواں جو فضا میں بلند ہو کر جنوب کی طرف غائب ہو گیا۔

غالیاس :- پھر کیا ہوا

پریسکا :- ہوا یہ کہ جب اوراشیا کو معلوم ہوا وہ اب بنت البحر سے کبھی نہیں مل سکتا تو اس صدمہ سے آناً فاناً اس کے بال سفید ہو گئے، دانت گر گئے، اس کے جسم میں جھریاں پڑ گئیں اور وہ آن کی آن میں چار سو سال کا بڈھا بن گیا۔

(دفعتہً غار کے باہر سے قرنا وغیرہ کی آواز آتی ہے)

پریسکا :- اے غالیاس، کچھ سنا تم نے۔ لوگ یہاں آ پہونچے،

غالیاس :- (گھبرا کر) بیشک بادشاہ آ پہونچا اور مجھے اندیشہ ہے کہ غار بند کرنے سے قبل وہ اندر نہ آ جائے اور ہمیں تمھیں یہاں دیکھ لے،

پریسکا :- پھر کیا کرنا چاہئے۔

غالیاس :- اے شاہزادی آپ یہیں کسی کونہ میں چھپ جائیے۔ میں باہر جاتا ہوں، اگر بادشاہ اندر آیا تو میں زور سے کوئی بات ایسی کہوں گا جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بادشاہ اندر آ رہا ہے،

(غالیاس باہر چلا جاتا ہے)

پریسکا :- (مشلینیا کے جسم پر جھک کر) اے مشلینیا، تو نے اپنا وعدہ پورا کیا، تیری محبت میں کبھی شک پیدا نہیں ہوا اور تو نے صندوقچہ کھولکر اپنا عہد نہیں توڑا، اس لئے اب تو اس سے جدا نہیں رہ سکتا جس سے تجھے محبت ہے۔

(دفعتہً غار کے دروازہ سے غالیاس کی آواز آتی ہے اور پریسکا چھپ جاتی ہے۔ بادشاہ آہستہ آہستہ اندر داخل ہوتا ہوا خاموش سر جھکا کر سینہ پر صلیب کا نشان بناتا ہے)

بادشاہ :- (راہب اعظم سے) کیا مناسب نہ ہوگا کہ ان کے مقدس جسموں کو قیمتی تابوتوں میں رکھ دیا جائے؟

راہب :- نہیں یہ مناسب نہیں ہے۔ غار کا دروازہ بند کر کے ان کو اسی حال میں چھوڑ دینا چاہئے۔

(صیاد۔ آگے بڑھتا ہے)

صیاد :- (بادشاہ سے) اے مولیٰ، غار کا بند کرنا مناسب نہیں،

بادشاہ :- "کیوں"

صیاد :- اس لئے کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ پھر سو گئے ہیں اور ممکن ہے کہ دوبارہ جاگیں،

دوسرا راہب :- بیشک وہ سو گئے ہیں۔ اور اگر غار بند کر دیا گیا تو پھر کیونکر نکلیں گے،

پہلا راہب :- اس مرتبہ وہ سوئے نہیں ہیں بلکہ مر گئے ہیں اور ان کی روحیں آسمان کی طرف صعود کر گئی ہیں

غالیاس :- بیشک، وہ مر گئے ہیں اور آسمان پر چلے گئے ہیں

بادشاہ :- میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کو صحیح باور کروں،

صیاد :- اے مولیٰ، وہ سوئے ہیں یا مر گئے ہیں، دونوں حال میں غار بند کرنے کی ضرورت نہیں

غالیاس :- غار اگر بند نہ کیا گیا تو لوگ یہاں آئیں گے اور فضول ہنگامہ مچایا کریں گے،

بادشاہ :- لیکن اگر وہ پھر جاگ پڑے تو اس صورت میں نکلیں گے کیونکر

غالیاس :- اس کے لئے یہ تدبیر مناسب ہے کہ غار کے اندر تین پھاوڑے رکھدئے جائیں۔ اگر وہ جاگے تو پتھر ہٹا کر نکل آئیں گے۔

بادشاہ :- ہاں، یہ تدبیر مناسب ہے

غالیاس :- (بلند آواز سے) پھاوڑے لاؤ

(لوگ دوڑ پڑتے ہیں اور تین پھاوڑے لے آتے ہیں)

بادشاہ :- (غالیاس سے) اے غالیاس، اب غار بند کرنے کی طیاری کرو اور اعلان کردو کہ شاہزادی اس رسم میں اپنی بیماری کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکتی۔

(اس رسم کی ادائی کے لئے طبل و قرنا بجنے لگتے ہیں اور غالیاس سب کی آنکھ بچا کر اندر داخل ہوتا ہے)

غالیاس :- (پریسکا سے) اے شاہزادی، وقت بہت تنگ ہے، بتائیے اب کیا حکم ہے

پریسکا :- اے غالیاس، میں تمہاری بڑی احسانمند ہوں کہ تم نے اپنی جان خطرہ میں ڈالدی لیکن میرا کہنا نہ ٹالا۔ اچھا اب تم جاؤ اور مجھ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو لو

غالیاس :- نہیں اے شاہزادی یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کو یہاں تنہا چھوڑ دوں، مجھے بھی اپنے قدموں پر جان دینے کی اجازت دیجئے۔

پریسکا :- اے غالیاس، یہ ممکن نہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے خواب میں صرف تنہا اپنا ہی زندہ دفن ہونا دیکھا تھا۔ اب تم جاؤ اور اگر دنیا میری بابت پوچھے تو وہی کہدینا جو میں تم سے کہہ چکی ہوں تمھیں یاد ہے؟

غالیاس :- ہاں یاد ہے،

پرلیسکا:۔ "کیا"

غالیاس:۔ یہ کہ پرلیسکا ایک عورت تھی جو محبت کے لئے زندہ رہی اور محبت ہی کے لئے اس نے جان دی۔

پرلیسکا:۔ ہاں، یہی۔

(غالیاس باہر نکلتا ہے۔ اور غار کا دروازہ پرلیسکا پر ہمیشہ کیلئے بند کر دیا جاتا ہے)

مسئلہ خلافت و امامت

(ایک آزاد خیال شیعہ کے قلم سے)

"کاوش تحقیق" فطرت کا سرمایہ ہے جو بعض دماغوں میں خصوصیت کے ساتھ ودیعت کر دیا گیا ہوتا ہے وہ انسان کو کبھی کبھی بحث و نظر کے ایسے خشک اور ناہموار راستوں میں پہونچا دیتا ہے جن کے تصور سے بھی وہ افراد جو صرف " دماغی عیاشی" کا ذوق رکھتے ہوں کانوں پر ہاتھ رکھنے لگیں۔

بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ "نگار" کے صفحات پر "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" تذکروں کے بجائے ایک وقت میں مسئلہ "خلافت و امامت" کے سے "دقیانوسی" مسئلہ کو چھیڑا جائے گا اور اتنی دلچسپی کے ساتھ کہ اُس کا سلسلہ دو برس کے قریب عرصہ تک قائم رہے اور پھر جنوری کے مخصوص نمبر کا ایک اچھا خاصہ حصہ اس کی نذر کر دیا جائے۔

لطف یہ ہے کہ اس "سازِ بے آہنگ" کے چھیڑنے والے ایک غیر متعلق شخص، متنازع فیہ مسئلہ کے ساتھ دور کا بھی رشتہ نہ رکھنے والے کوئی "ہرنام" صاحب ہیں جو اقراری "ہندو" ہیں جس کے بعد اُن کی نسبت کچھ اور خیال کرنے کی ضرورت نہیں اور جبکہ اسلام کی تعلیم بھی یہ ہے کہ "ماقال" کو دیکھو۔ "من قال" پر نظر نہ ڈالو۔

"ہرنام" صاحب نے شروع شروع یہ بحث صرف تاریخی حیثیت تک محدود رکھی تھی اور اعتقادی پہلوؤں پر کوئی توجہ نہیں کی تھی جس کا بقول اُن کے ایک غیر مسلم شخص کو حق بھی نہیں ہے اس لئے اس بحث پر شیعی جماعت کے ذمہ دار حلقوں کی طرف سے خاموشی ہی مناسب تھی کیونکہ تاریخی بحث میں مذہبی جانبداری کا پہلو پیدا ہو جانا واقعات کی بے لاگ سراغرسانی پر مضر اثر ڈالتا ہے۔

اس سے بڑھکر بے لوث تحقیقات کیا ہو سکتی ہے کہ تحقیق کرنے والا ایک غیر مسلم انسان "ہندو" اور فیصلہ کرنے والی ذات مدیر نگار کی سی جو (بقول خود) اصل مذہب کی ضرورت ہی کو مشکوک نگاہ سے دیکھنے لگی ہو۔

جہاں تک تاریخی بحث کا تعلق ہے معاملہ ختم ہوگیا اور محترم مدیر نگار نے جیسا کہ "ہزنام" صاحب نے اپنے آخری مضمون میں نگار کے تائیدی سکوت کے ساتھ اظہار فرمایا ہے اس بحث کا آخری فیصلہ شیعوں کے حق میں کردیا۔ یعنے اُنھوں نے تمام واقعات کی صحت کو تسلیم فرماتے ہوئے اُن کا نتیجہ یہی قرار دیا کہ حضرت رسول اکرم حضرت علی ہی کا خلیفہ وجانشین ہونا پسند فرماتے تھے اور آپ نے اس کا بار بار اظہار بھی فرمایا۔

مگر آپ نے اپنے محاکمہ کے دامن دار اطراف میں کچھ ایسے مسائل کو بھی چھیڑ دیا جو خالص اعتقادی حیثیت رکھتے ہیں اور مارچ سنہ ۳۶ء کے پرچہ میں اُسی محاکمہ کے پیش کردہ نتائج کی روشنی میں آپ نے چند سوالات بھی مرتب فرماکر شائع کئے جن کے جواب کے لئے آپ نے ہر دو مذاہب کے علماء و اہل نظر کو دعوت دی۔

ہزنام صاحب نے بھی "محاکمہ" کو دیکھنے کے بعد اپنا جو آخری بیان شائع کیا اُس میں میدان بحث اور محاذ گفتگو بدلجانے پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کنارہ کشی کا اظہار کیا اور اب اس بحث کے لئے خاص شیعی جماعت کے ارباب علم سے تحریک کی کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کو پیش کریں۔ جناب نیازؔ نے بھی اس مضمون کی تذئیل میں "ہر دو مذاہب" کے بجائے "خصوصیت سے شیعی علماء" کی جانب دعوت کا رخ پھیر دیا اور نگار کے جنوری نمبر کے اعلان میں یہ جملہ بھی شایع کر دیا کہ "مسئلہ خلافت پر ایک بسیط مضمون شایع کیا جائے گا جو شیعی نقطۂ نظر سے آخری حرف ہوگا" میں نہیں کہہ سکتا کہ شیعی علماء کے طبقہ میں اس دعوت پر توجہ کیوں نہیں کی گئی؟

ممکن ہے اس کا سبب مدیر نگار کی طرف سے "مایوسی" ہو جیسا کہ مدرسۃ الواعظین کے اخبار "الواعظ" کی متعدد اشاعتوں میں ایک طویل مقالہ شائع ہوا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مدیر نگار سُنّی ہیں اور اُنھوں نے جتنے سوالات قائم کئے ہیں وہ صرف سنیوں کی حمایت کے لئے۔

میں کم از کم اپنی "وسعت خیال" کے حدود میں جہاں تک مدیر نگار کے رویہ پر غور کرتا ہوں مجھے اس "سوء ظن" کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور بالفرض اگر ایسا ہو بھی تو سوال کرنے والے کی نیت سے جواب دینے والے کی زبان پر تو گرہ نہیں لگ سکتی۔ اُسے بہر حال اپنے نقطۂ نظر کے واضح کرنے کا موقع ہے اور سوال کو بیان حقیقت کا پیش خیمہ قرار دینے کا حق ہے۔

بعض اصحاب کا یہ خیال ہے کہ نگار میں اس مسئلہ کا اُٹھایا جانا ایک تجارت ہے اور صرف پرچہ کی گرم بازاری میں اضافہ منظور ہے۔ ان اصحاب کا جواب بھی میری طرف سے یہی ہے کہ اگر کسی کی ذاتی تجارت کے سلسلہ میں کسی اہم مسئلہ کی تحقیق کا فرض انجام پاجائے تو کیا بُرا ہے؟

بہر حال یہ دیکھکر کہ نگار کے سوالات تشنۂ جوابات ہیں اور اُن کی تحقیق ہر حقیقت پرور انسان کا فرض ہے، میں نے اس مضمون کی داغ بیل ڈالی ہے۔

مجھے اپنے بے نیاز القاب کرمفرما جناب نیازؔ سے بھی یہ نیازمندانہ گزارش کرنا ہے کہ جہاں تک بحث کا صرف تاریخی پہلو تھا جناب کی غیر جانبدارانہ حیثیت مسلّم اور آپ کا بحیثیت حکم فیصلہ قابل قبول۔ لیکن اب اس بحث نے جو صورت اختیار کرلی ہے وہ مذہبی و اعتقادی ہے جس کے دلائل و اُصول کا بہت کچھ تعلق مابعد الطبیعیاتی مبادی کے ساتھ ہے جن میں آپ خود مخصوص نظریات و معتقدات کے حامل ہیں جو اکثر و بیشتر عام مسلمانوں کے خلاف ہیں اور اُن اُصول و نظریات کے ماتحت خود آپ اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان ایک محاذ اختلاف قایم ہے۔

اگر آپ نے اس بحث کا فیصلہ اپنے اُصول کی بنیاد پر کرنا چاہا تو یہ ہرگز ایک غیر جانبدار حکَم کا فیصلہ قرار نہیں پاسکیگا۔ بے شک اگر اس بحث کا بحیثیت حکَم فیصلہ کرنا ہے تو ضرورت ہے کہ مراحل ابتدائی میں آپ اُنھیں اُصول کو پیش نظر رکھئے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک متفقہ اور مسلّمہ ہیں اور جن میں شیعہ و سنی کی تفریق نہیں ہے اور اُن "اُصول موضوعہ" کو پیش نظر رکھکر یہ دیکھیئے کہ کون فریق ٹھیک کہہ رہا ہے۔

درصورتیکہ آپ اُن مبادی و اصول سے الگ ہوکر خود اپنے معتقدات کے اوپر بحث کرنا چاہتے ہیں تو اسے محاکمہ کا درجہ عطا نہیں کیا جاسکیگا بلکہ ایک فریق بنکر دلایل کے ذریعہ سے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنیکا فرض ادا ہوگا جو ہر انسان کا حق ہے۔

سوالات کی تقسیم

جہاں تک سوالات کا تعلق ہے میں ان کو تین حصوں میں منقسم کرسکتا ہوں۔ ۱۔ مسئلہ خلافت کے مبادی مقدمات، ۲۔ نفس مسئلہ خلافت، ۳۔ مسئلہ خلافت کے فروع و جزئیات۔

پہلی قسم میں حسب ذیل سوالات مندرج ہیں:۔

۱۔ عصمت و عفت کا مفہوم کیا ہے، گناہ و خطا میں کوئی فرق ہے یا نہیں اور اگر لغزش و نسیان یا اجتہادی غلطی کا امکان انبیاء وائمہ کو غیر معصوم بنانے کے لئے کافی ہے تو کیوں؟

۲۔ انبیاء وائمہ اگر غلطی یا لغزش سے پاک تھے تو اس کے عقلی یا نقلی دلایل کیا ہوسکتے ہیں؟

ان سوالوں کو میں نے مسئلہ خلافت کے مبادی میں اس لئے قرار دیا ہے کہ درحقیقت ان سوالوں کی بنیاد یونہی پڑی ہے کہ خلافت جناب امیرؑ کے متعلق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہارات و

اعلانات سے استدلال پیش کیا گیا تھا جس کو اصل حقیقت کے اعتبار سے جناب مدیر نگار نے تسلیم فرمایا لیکن آنحضرتؐ کے اعلانات کو حضرت علیؑ کے ثبوت حق خلافت کے لئے کافی قرار دینے میں اس بنا پر عذر فرمایا کہ خود رسولؐ سے بھی خطاء اجتہادی ممکن ہے اور اس لئے آپ نے جو اعلان فرمایا ممکن ہے وہ آپ کی ذاتی رائے کی بنا پر ہو لیکن درحقیقت مسلمانوں کے لئے مفید و نتیجہ خیز نہ ہو۔ اس لئے مسلمانوں کا اس پر عمل نہ کرنا حق بجانب قرار پائے۔

اب اگر رسول سے کلیتہً یا بالخصوص اس مسئلہ میں خطاء اجتہادی کا امکان غلط قرار پا جائے تو حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا ثبوت بلا کسی دغدغہ کے پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے گا۔

دوسری قسم میں حسب ذیل سوالات ہیں :-

۱- وصایت جناب امیر ثابت کرنے کے لئے حضرات شیعہ کیا نصوص قطعیہ پیش کرتے ہیں؟

۲- مسئلہ خلافت کو اصل مذہب اسلام سے کیا تعلق ہے؟

۳- اسلام نے ہیئت اجتماعی کا کیا اصول پیش کیا ہے اور اُس کو دیکھتے ہوئے نیابت و خلافت کا سلسلہ نامزدگی کے ذریعہ سے صحیح تسلیم کرنا اور کسی ایک خاندان کے لئے مخصوص سمجھنا درست ہو سکتا ہے یا نہیں۔

۴- ہر دو فریق کی روایات پر سیاسی ماحول کا کوئی اثر پڑا یا نہیں۔ اگر پڑا تو کیا؟

چوتھے سوال کو نفس مسئلہ خلافت سے متعلق ہیں نے اس لئے قرار دیا کہ خود انھیں روایات میں جو مسئلہ وصایت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں یہ شبہ پیدا ہونے کا امکان ہے کہ اُن پر سیاسی ماحول کا کچھ اثر پڑا ہے یا نہیں اور اس لئے وہ معتبر سمجھی جا سکتی ہیں یا نہیں۔

تیسری قسم میں ذیل کے سوالات داخل ہیں :-

۱- کیا انبیاء و ائمہ مستقبل کے حالات سے باخبر تھے۔ اگر تھے تو اس کا کیا ثبوت ہے۔

۲- قیام امامت کی ضرورت کیا ہے اور صرف اہلبیت میں اس سلسلہ کا قائم رہنا کیوں ضروری ہے؟

۳- امامت کے بارھویں امام پر ختم ہو جانے کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔

۴- جو سلسلۂ امامت دوسرے شیعی فرقوں کے نزدیک صحیح ہے اُس کو غلط قرار دینے کے لئے اثنا عشری جماعت کیا دلایل اپنے پاس رکھتی ہے۔

۵- امام مستور یا مہدی موعود کے وجود و ظہور کی عقلی توجیہ

میں نے ان سوالوں کو مسئلہ خلافت کے فروع و جزئیات میں اس لئے مندرج کیا ہے کہ اصل بحث جیسا کہ ہمنام صاحب کے افتتاحی مضمون سے ظاہر ہے اور جس کا "ہمنام" نے برقعی صاحب کے جواب میں صراحتہً

اظہار بھی کیا ہے صرف حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کے متعلق ہے یعنے سوال یہ درپیش ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت کا جانشین کس کو تسلیم کیا جائے؟

اور اس لئے "مسئلہ خلافت و امامت" میں درحقیقت اسی کو یکسوئی کے ساتھ طے کرنا چاہیئے۔

حضرت علیؑ کے بعد پھر یہ سلسلہ کس طرح چلے؟ خلافت کو حسنی شاخ میں تسلیم کیا جائے یا حسینی شاخ میں؟ اس سلسلہ کو بارہ کی تعداد پر ختم ہو جانا چاہیئے یا نہیں؟ وجود امام سے کسی زمانہ کو خالی سمجھا جائے یا نہیں؟ بارھویں نمبر پر حضرت امام مستور یا مہدی موعود کو تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ - یہ تمام باتیں خارج از مبحث قرار پاتی ہیں۔

حضرت علی کی خلافت کے مسئلہ میں جہاں محاذ اختلاف صرف "شیعہ اور سنی" کے درمیان ہے ایسے مباحث کا چھیڑ دیا جانا جن میں محاذ اختلاف بالکل جداگانہ ہو جاتا ہے سلسلہ گفتگو کو "ژولیدہ" اور بحث کو پریشان بنانے کا باعث ہے جو معاملہ فہمی کے خلاف ہے۔

فرض کیجئے کہ کوئی "آزاد خیال مفکر" حضرت رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کو خلیفۂ بلا فصل تسلیم کرتا ہے لیکن پھر بھی اُن تمام معتقدات کو نہیں تسلیم کرتا جو اثنا عشری جماعت نے مذہبی حیثیت سے ضروری قرار دئے ہیں تو کیا ایسے شخص کے عقل و دماغ پر پہرہ بٹھایا جا سکتا ہے اور اُسے مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو خلیفۂ بلا فصل تسلیم کرے تو بس آخر تک اس سلسلہ کو اُسی طرح سے صحیح سمجھ لے جو اثنا عشری جماعت نے قایم کیا ہے۔

جب ایسا نہیں تو حضرت علی کی خلافت ایسے صاف اور واضح مسئلہ میں کیوں ان غیر متعلق باتوں کو چھیڑ کر بحث کو پراگندہ بنایا جائے؟

اس لئے میں اپنے زیر تحریر مقالہ میں ہرگز اس "خطاء اجتہادی" کے ارتکاب پر آمادہ نہیں ہوں۔ میرا جواب صرف پہلی دو قسم کے سوالات سے متعلق ہوگا اور آخری قسم کے سوالات کی بحث کو اُس وقت کے لئے اُٹھا رکھا جائے گا جب حضرت علی کی خلافت کا مسئلہ بالکل طے ہو جائے۔ پھر میں خود اپنے مقام پر سنجیدگی کے ساتھ غور کروں گا کہ اس سلسلہ کو آگے کس طرح بڑھایا جائے؟

پہلا سوال

عصمت و عفت کا مفہوم کیا ہے، گناہ اور خطا میں کوئی فرق ہے یا نہیں اور اگر لغزش و نسیان، اجتہادی غلطی کا امکان انبیاء و ائمہ کو غیر معصوم بنانے کے لئے کافی ہے تو کیوں؟

"عصمت" کے لغوی معنی تو "حفاظت" کے ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے علم کلام کی اصطلاح میں انبیاء وائمہ کے لئے اس کا استعمال کیا گیا ہے ایک خاص طرح کی نفسانی کمزوریوں سے لازمی طور پر اُن کے محفوظ ہونے کے معنی میں۔

چونکہ "حفاظت" کے معنی خود "متعلق" کے طالب ہیں یعنے کس شئے سے حفاظت؟ اس لئے اس کے مفہوم اصطلاحی میں قیود عاید کرنا یعنے اُن نفسانی کمزوریوں کی حد مقرر کرنا جن سے انبیاء وائمہ کو لازمی طور پر محفوظ ہونا چاہئے خود عقلی بحث کا تابع ہے یعنے یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کون کون باتیں ایک نبی وامام کی شان نبوت وامامت کے خلاف اور اُس مقصد کے منافی ہیں جس کے لئے نبی وامام کا تقرر ہوتا ہے۔ بس اُنہی تمام باتوں سے حفاظت "عصمت" کے اُس مفہوم کی تشکیل کرے گی جو اصطلاحی حیثیت سے نبی وامام کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

رہ گئی "عفت" اُس کے معنی "پرہیزگاری" اور "پارسائی" کے ہیں اور وہ علم اخلاق کی اصطلاح میں قوت شہویہ کے اعتدال کا نام ہے جو اپنے مکمل معیار کی حیثیت سے "عصمت" کا ایک شعبہ قرار پاسکتا ہے اُس کی پوری تفسیر نہیں جیسا کہ سوال کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔

"گناہ" اور "خطا" میں بے شک فرق ہے یعنے "گناہ" میں ارادہ اور ضمیر کا تعلق ضرور ہے لیکن "خطا" لغزش، اجتہادی غلطی، نسیان اور بھول چوک کو بھی کہتے ہیں مگر یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ عصمت جو نبی وامام کے لئے عقلی فیصلہ کی بناپر ضروری ہے وہ صرف "گناہ" سے عصمت ہے یا "غلطی اور بھول چوک" سے عصمت بھی ضروری ہے۔ اسی بناپر سوال کے ان الفاظ سے مجھے اختلاف ہے کہ "اگر لغزش ونسیان اجتہادی غلطی کا امکان انبیاء وائمہ کو غیر معصوم بنانے کے لئے کافی ہے تو کیوں؟ اس لئے کہ لغزش ونسیان صرف انبیا وائمہ کو نہیں بلکہ ہر شخص کو ایک حد تک غیر معصوم بنانے کے لئے کافی ہے یعنے یہ کہ وہ "معصوم عن الخطاء" نہیں ہیں اور ایک حد تک یقیناً غیر معصوم بنانے کے لئے ناکافی ہے یعنے لغزش ونسیان کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ وہ "معصوم عن الذنب" بھی نہوں لہذا سوال کے الفاظ یوں ہوتے تو بہتر تھا کہ "اگر لغزش ونسیان اجتہادی غلطی سے بھی انبیاء وائمہ کو معصوم ہونے کی ضرورت ہے تو کیوں؟ اس طرح بحث اپنے اُس راستہ پر آجائے گی جو اُس کے لئے ہونا چاہئے۔

مگر اس صورت میں سوال نمبر ۲ کے ساتھ اس سوال کا کوئی فرق باقی نہ رہیگا اور اس لئے ان دونوں سوالوں کا الگ الگ مقرر کیا جانا صرف مجیب کی نکتہ رسی کا امتحان ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں۔

بہرحال موجودہ صورت میں جبکہ سوال نمبر ۲ بھی موجود ہے جس میں مجھ کو انبیاء وائمہ کی غلطی یا لغزش

سے پاک ہونے کے دلایل لکھنا ضروری ہیں میں اس سوال کے جواب میں گناہ اور خطا دونوں سے انبیار کی عصمت کے مفہوم کو واضح کرنے پر اکتفا کروں گا اور دوسرے جزو کو "یعنے یہ ضروری ہے تو کیوں ؟" دوسرے سوال کے جواب کے لئے اٹھا رکھوں گا۔

اس کے لئے سب سے پہلے جناب نیاز کی وہ عبارت نقل کرتا ہوں جو آپ نے اسلام کے پیش کردہ معیار نبوت کے متعلق اپنے محاکمہ (نگار فروری ۳۶ء) میں تحریر فرمائی ہے۔ پھر اُس پر ضروری تبصرہ کروں گا آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"انسان کو دیگر مخلوقات کے لحاظ سے اشرف المخلوقات صرف اس لئے کہا جاتا ہے کہ اُس کو عقل و فراست عطا ہوئی ہے اور وہ اپنے جذبات حیوانی سے مغلوب نہیں ہو سکتا اگر وہ چاہے۔ بالکل اسی طرح ایک نبی، دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں صرف یہ شرف رکھتا ہے کہ اس میں وہ تمام قوتیں جو ایک انسان کو حیوان سے ممیز کرتی ہیں، زیادہ تکمیل کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور وہ باوجود تمام جذبات حیوانی رکھنے کے ان کے ضبط پر غیر معمولی قدرت رکھتا ہے۔

ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو حد درجہ مسکین و غریب ہے، جو کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتا، جو ہر شخص کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے، اور ہم اُس کی صلاحیت نفس کی تعریف کرتے ہیں۔ کیوں ؟ اس لئے کہ وہ غیر معمولی ضبط سے کام لیکر اپنے جذبات حیوانی پر قابو رکھتا ہے۔ لیکن اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ قدرتاً وہ حد درجہ بے حس واقع ہوا ہے تو ہم بجائے تعریف کرنے کے اُس کو بزدل و بے غیرت کہیں گے۔

ایک شخص حد درجہ عفت مآب و پاکباز ہے اور ہم اُس کے ضبط نفس کی تعریف کرتے ہیں لیکن اگر ہم یہ جان جائیں کہ اس میں قدرت کی طرف سے یہ مادہ ہی نہیں پایا جاتا اور وہ فطرتاً ناکارہ پیدا ہوا ہے تو پھر ہم بجائے تعریف کے اس کی حقارت کرنے لگتے ہیں۔

الغرض ایک انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ باوجود گناہ پر قدرت رکھنے کے اس سے باز آئے، وہ جھوٹ بول سکتا ہو لیکن نہ بولے، وہ غصہ کر سکتا ہو لیکن نہ کرے، ماحول سے متاثر ہو سکتا ہو لیکن نہ ہو، اسی پر ایک نبی کے خصوصیات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر قیاس کر لیجئے۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ نبی فطرتاً معصوم پیدا ہوا ہے تو اس کی عصمت کوئی قابل تعریف بات نہیں، اگر وہ غیب کی باتیں جان لیتا ہے تو اُس کی فراست و پیش بینی بے معنی ہے، اگر فرشتے اُس کی مدد کرتے ہیں تو اس کی کامیابیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اگر اس سے کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی تو اس کی سلامت روی ہیچ ہے۔ ایک نبی کو دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں امتیاز اگر حاصل ہے تو صرف یہ کہ باوجود اُن تمام جذبات رکھنے کے جو تمام لوگوں میں پائے

جاتے ہیں اُن کے ضبط پر دوسرے انسانوں سے زیادہ قادر ہے، وہ دوسرے انسانوں کی طرح سوچتا ہے لیکن بہت غائر نگاہ سے، وہ مخالف و مقابل قوتوں سے متاثر ہوتا ہے لیکن بہت کم، وہ کسی نہایت تک پہونچنے کے لئے اُنہی اسباب و دلایل کو سامنے رکھتا ہے جو دوسروں کے سامنے ہیں اور اکثر صحیح نتیجہ پر پہونچتا ہے۔ الغرض وہ ہماری طرح ایک انسان ہے لیکن بلند ترین سطح کا اور انسانی فراست سے جو غلطی یا لغزش اس دُنیا میں ہو سکتی ہے وہ اس سے بھی ممکن ہے لیکن بہت کم۔ وہ اپنی نیت کے لحاظ سے، اپنے مقاصد کے نقطۂ نظر سے یقیناً ایک معصوم انسان ہے لیکن اپنی تدابیر اپنی فہم و دانش کے لحاظ سے اس کاروبار عالم میں وہ کبھی کبھی اجتہادی غلطی بھی کر سکتا ہے اور یہی وہ مفہوم نبوت کا تھا جسے سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا اور جس کو سامنے رکھکر ہم رسول اللہ کی غیر معمولی عظمت تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ممکن ہے مسلمانوں کی جماعت نبوت کے اس مفہوم کو سُنکر متعجب ہو، علی الخصوص حضرات شیعہ، جو نہ صرف رسول اللہ بلکہ اہلبیت کے تمام افراد کو معصوم جانتے ہیں لیکن کیا کروں کلام پاک سے نبوت کا مفہوم میری سمجھ میں یہی آتا ہے اور اس سے ہٹ کر "پیدائشی معصومیت" سے نبی کو متصف کرنا میرے نزدیک منصب نبوت کی توہین کرنا ہے۔

نبی آخر الزماں سے قبل نبوت کا جو مفہوم لوگوں کے ذہن نشین تھا وہ یہ تھا کہ "رسول" نوع انسانی سے علحدہ کوئی چیز ہے اور اُس کا تعلق فرشتوں سے ہے، اس کی تردید رسول اللہ کی زبان سے یوں کی گئی "قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیہم من السماء ملکا رسولا" (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۵) یعنی اگر زمین بجائے انسانوں کے فرشتوں کی آبادی ہوتی تو ہم کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔

اسی طرح سورۂ کہف (آیت ۱۱۰) میں رسول اللہ کی انسانی حیثیت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے:۔

"قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰہکم الٰہ واحد" یعنی اے رسول کہدے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں اور اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ خدا مجھے تمہیں وحدانیت کی تعلیم دینے کی ہدایت کرتا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۹۳ میں "ہل کنت الا بشرا رسولا" کہکر اسکی اور زیادہ وضاحت کر دیجاتی ہے"

(تقریباً ایک صفحہ کی عبارت کے بعد جو غیب دانی کے مسئلہ سے متعلق ہے اور اسلئے ہماری بحث سے خارج، تحریر ہوتا ہے)

"نبی کے متعلق یہ بھی عام اعتقاد پایا جاتا ہے کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی یا یہ کہ وہ خطا و نسیان سے مبرا ہے لیکن کلام مجید سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔

سورۂ سبا کی آیت ۴۹ میں رسول اللہ سے ارشاد ہوتا ہے۔ "قل ان ضللت فانما اضل علی نفسی وان اہتدیت فبما یوحی الیّ ربّی انہ سمیع قریب" یعنی کہدو کہ اگر مجھ سے کوئی لغزش ہوتی ہے تو اسکا

ذمہ دار میں ہوں اور اگر سیدھی راہ اختیار کرتا ہوں تو وہ خدا کی ہدایت ہے)

سورۂ مومن آیت ۵۵ میں ایک جگہ رسول اللہ سے خطاب کیا گیا ہے کہ "واستغفر لذنبک وسبح بحمد ربک" (اپنی غلطی سے توبہ کر اور خدا کی حمد بیان کر)

سورۂ محمد آیت ۱۹ میں پھر "واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات" کے الفاظ ارشاد ہوتے ہیں

سورۂ فتح کی آیت ۱-۲ میں ارشاد ہوتا ہے:-

"انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک" یہاں بھی وہی لفظ ذنب موجود ہے۔

ایک بار رسول اللہ نے کسی اندھے کی بات نہ سنی اور اس سے منہ پھیر لیا۔ اس پر آپ کو اس طرح تنبیہ کی گئی "عبس وتولیٰ۔ ان جاءہ الاعمیٰ" سورۂ عبس آیت ۱-۲-۳-

سورۂ برأت (آیت ۴۳) میں رسول اللہ سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ:-

"عفا اللہ عنک لم اذنت لہم حتیٰ یتبین لک الذین صدقوا وتعلم الکاذبین"

کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے بعض جنگوں میں رسول اللہ کا ساتھ نہ دیا تھا لیکن رسول اللہ نے ان کو پھر شمول جنگ کی اجازت دیدی تھی اس پر آپ سے کہا گیا کہ جب تک سچے جھوٹوں کی تفریق و تصدیق نہ ہوئی تھی، کیوں انھیں اجازت دیگئی" سورۂ انعام کی آیت ۶۸ سے یہاں تک ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سے وہ نسیان بھی سرزد ہو سکتا تھا جسے عام طور پر شیطان سے منسوب کیا جاتا ہے۔

آیات مذکورۂ بالا کے مطالعہ سے دو باتیں بخوبی واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ کی ذات لغزش، غلطی نسیان یا بھول چوک سے مستثنیٰ نہ تھی اور دوسرے یہ کہ آپ کو آیندہ کا کوئی حال معلوم نہ تھا۔ ممکن ہے بعض حضرات اسے منصب نبوت کی توہین سمجھیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ رسول اللہ کی حقیقی عظمت و جلالت صرف اسی طرح ثابت ہو سکتی ہے کہ پہلے ان کو ایک انسان اور پھر نبی سمجھا جائے۔

میں کبھی اس کا قایل نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ کسی معصیت یا گناہ میں مبتلا ہو سکتے تھے کیونکہ گناہ کا تعلق انسان کے ارادے اور خرابی ضمیر سے ہے اور اس میں کلام نہیں کہ جس حد تک نیت و ارادہ کا تعلق ہے ایک رسول کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا لیکن گناہ کے علاوہ ایک چیز اور ہے جسے انسانی لغزش، اجتہادی غلطی، نسیان اور بھول چوک کہتے ہیں اور اس کا امکان ہر وقت ہر انسان سے ہے۔ یہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ رسول اللہ کی ذات مرکز تھی روحانی و مذہبی تعلیم کی بھی اور سیاسی رہنمائی کی بھی یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جس حد تک مذہب کا تعلق تھا آپ کی ہر تعلیم وحی و الہام کے ماتحت ہوتی تھی اور اس میں کسی لغزش کا امکان نہ تھا لیکن آپ کی سیاسی زندگی میں اس کا امکان تھا کہ آپ سے کبھی کوئی فروگزاشت ہو جائے یا کوئی فیصلہ آپ ایسا کریں جو مناسب نہ ہو۔

یہ عبارت تمام وکمال بغیر اندیشۂ طول کلام کے اس لئے نقل کی گئی کہ اُس کے تمام اجزاء قارئین کرام کے پیش نظر رہیں۔ کوئی اور ہوتا تو اُسے خود نگار کے لئے مضمون لکھنے کے سلسلہ میں اس امر میں پس وپیش ہوتا کہ وہ خود جناب نیاز کے فیصلہ ہی کو محل بحث قرار دیکر نقد وتبصرہ سے کام لے لیکن چونکہ میں ممدوح کی وسیع الخیالی کا دل سے معتقد ہو چکا ہوں اور دیکھ چکا ہوں کہ انھوں نے "ہر نام" کے آخری مضمون کو جس میں محاکمہ کے بعض اجزاء کی تردید بھی کیگئی تھی بغیر کسی "ناگواری" کے جو "تنگ ظرف" افراد کا شیوہ ہے اور بلا کسی اظہار اختلاف کے بلکہ ایک طرح کے تائیدی نوٹ کے ساتھ شائع کر دیا اور پھر جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ ممدوح نے محاکمہ میں ان خیالات کے اظہار کے بعد پھر اپنے سوال میں اس مسئلہ کو زیر بحث قرار دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اہل نظر کو خود اپنے خیالات کے نقد وموازنہ کا موقع دیر رہے ہیں، اس لئے ہرگز مجھے کوئی پس وپیش نہیں ہے اس میں کہ خود جناب نیاز کے رسالہ میں اُنکے خیالات پر سخت سے سخت گرفتیں کروں کیونکہ جو شخص ایک نبی ورسول کی ذات کو خطار اجتہادی سے مستثنیٰ نہیں سمجھتا وہ اپنی ذات کے لئے اس سے مستثنیٰ ہونے کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا

جہاں تک عبارت کے ابتدائی حصہ کا تعلق ہے، یہ کہ عصمت "سلب اختیارات" کا نام نہیں ہے اور نہ قوائے معصیت کے مفقود ہونے کا بلکہ یہی کہ باوجود تمام جذبات حیوانی کے اُن کے ضبط پر غیر معمولی قدرت رکھتا ہو اور ایک انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ باوجود گناہ پر قدرت رکھنے کے اُس سے باز آئے۔"

یہ ایسی بات ہے جس سے سنجیدہ اور محقق علمائے اسلام ومتکلمین شیعہ کو کوئی اختلاف نہیں ہے اور عصمت کا یہی مفہوم ہے جس کے لحاظ سے وہ ایک نبی ومعصوم کے لئے معصوم ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے اُن کا قول ہے کہ نبی وامام فرشتوں سے افضل ہوتا ہے کہ فرشتہ (وہ کوئی وجود حقیقی رکھتا ہو یا نہیں لیکن جو مفہوم اُس کا قرار دیا گیا ہے اُس کے لحاظ سے) وہ مخلوق ہے جس میں قوائے معصیت خلق ہی نہیں ہوتے اس لئے وہ اگر گناہ نہیں کرتا تو کوئی قابل تعریف بات نہیں لیکن معصوم باوجود گناہ کی تمام قوتیں رکھنے کے پھر بھی گناہ نہیں کرتا اس لئے وہ فرشتہ کے درجہ سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو مدیر نگار نے بایں الفاظ تحریر فرمایا ہے کہ:- "پیدائشی معصومیت سے نبی کو متصف کرنا میرے نزدیک منصب نبوت کی توہین کرنا ہے۔"

اس خیال میں کوئی ایسی ندرت نہیں ہے جس کو سنکر مسلمانوں کی جماعت اور علی الخصوص شیعہ متعجب ہوں۔ سند کے لئے بطور ایک ذمہ دارانہ تصدیق کے جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب کی عبارت نقل کی جاتی ہے جو "اسلام کی حکیمانہ زندگی" شائع کردہ "امامیہ مشن" لکھنؤ کے صفحہ ۳۸ - ۴۲ پر مندرج ہے۔

اس میں صاف صاف اسی نظریہ کی تلقین موجود ہے۔

"خود اختیاری حیثیت سے علمی وعملی ترقی کرنا یہ انسان کا جوہر خاص ہے ـــــ یہی وہ چیز ہے کہ جس نے ایک طرف تو جمادات۔ نباتات۔ حیوانات سب سے انسان کو اشرف قرار دیا دوسری طرف صنف ملائکہ سے بڑھا دیا ـــ ملک، وہ بے شک بلند مرتبہ ہستی ہے۔ رفیع المنزلت وجود ہے۔ بھلا کیا حق مجھ کو کہ میں ملائکہ کی منزل کو پست کہوں۔ عالم بالا کے رہنے والے، سدرہ پر منزل رکھنے والے، جوار حضرت احدیت میں بسنے والے اُن کی منزلت کو میں پست کہوں یہ ناممکن ہے۔ بہت بلند۔ بہت رفیع المرتبہ۔ بہت اعلیٰ منزلت۔ مگر میں نے عرض کیا "خود اختیاری ترقی کی صلاحیت" اختیار کے معنی ہمیشہ دو پہلوؤں کے طالب۔ وجود اور عدم، ہست و نیست، فعل و ترک۔ ملائکہ بہت بلند ہیں لیکن اُن کی بلندی محل، مرتبہ و منزل کی رفعت ظاہری اعتبار سے ہمارے لئے ویسی ہی ہے جیسے معمار نے یہ عمارت بنائی۔ اس کا کنگرہ وہاں رکھا۔ اینٹیں یہاں رکھیں۔ ہے ضرور وہ کنگو بلند گر معمار نے وہاں رکھا ہے ـــ وہ ہے بلند لیکن تعریف ویسی ہی کروں گا جیسی موتی کی آب و تاب کی ـــ بطور ثنا و ستایش کے میں کمال کا اعتراف کروں۔ یہ ناممکن ہے اس لئے کہ بنانے والے نے بلند ہی رکھا ـــ اختیاری حیثیت سے بلند ہوتا تب میں تعریف کرتا ـــ وہاں کی یہ بلندی رمز ہے انسان سے اُس کے پست درجہ پر ہونے کی ـــ اُس کی پاک و مقدس ذات ہے۔ اُس کی ذات میں عصیان کا وجود نہیں ہے لیکن بایں معنی کہ قوت عصیان خلق ہی نہیں ہوئی۔ طاقت گناہ پیدا ہی نہیں کی گئی۔ صاف و شفاف جس کے دامن پر کوئی دھبا نہیں۔ بالکل پاک و منزہ لیکن انسان کے مقابلہ میں ملک ناز کر سکے ؟ ناممکن ہے۔ تمام ملائکہ بے شک بہت بڑے درجہ پر۔ بہت منزہ اور معصوم لیکن اُن کی عصمت خود اختیاری نہیں ہے ـ پیدا کئے گئے ہیں معصوم ـ ہیں معصوم ــــ مگر انسان متحارب قوتوں کا مالک، ایک جنگ ہے جو اس مختصر سی دنیائے جسم انسانی میں برپا رہتی ہے ـــ ایک طرف نفس امارہ کی طاقتیں ہیں ــــ وہ اپنی طرف لیجانا چاہتی ہیں ـــ ایک طرف عقل کا لشکر ہے وہ اپنی سی چاہتا ہے کہ کر کے رہے ـــ یہ تصادم ہے۔ ان متحارب طاقتوں میں انسان رکھا گیا ہے کہ وہ اپنی نظر سے امتیاز کر کے ساتھ دے ـ اب اگر انسان نے ان تمام متحارب طاقتوں کو دیکھ بھال کر ایک کا ساتھ دیا دوسرے سے بیزاری اختیار کی تو کیا کہنا ـــ پھر تو لڑ بھڑ کر فتح کرنے والا ظفریاب مجاہد ہے ـــ راستہ چلتے کوئی مال و دولت ہاتھ نہیں آگیا ہے۔ بلکہ اپنی قوت بازو سے جنگ کر کے فتح و ظفر حاصل کر کے ملک طاعت پر قبضہ کیا ہے ـــ یہ انسان ہے ـــ یہ ملک کے سامنے آتا ہے۔ فتمندی کا نشان سر پر لہراتا ہوا آتا ہے ـــ ملک سے کہتا ہے ـــ جو ملک تم کو دیا گیا تھا بغیر لڑے بھڑے ہوئے۔ صرف عطیہ کے طور پر اُس کو میں نے لڑ بھڑ کر فتح کیا ـــ وہ ملک عصمت ہے اور یہ انسان کی طاعت ہے۔"

نبی و رسول کے متعلق ہرگز یہ خیال درست نہیں کہ اُس میں خصوصیات انسانی کو مفقود ہونا چاہیے بلکہ درحقیقت اُس میں خصوصیات انسانی کو پایۂ تکمیل پر ہونا چاہیے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ "انسان کامل" کہے جانے کا مستحق ہو اور مدیر نگار کے الفاظ میں وہ "ہماری طرح ایک انسان ہو لیکن بلند ترین سطح کا"۔

مگر خصوصیات انسانی کی تعیین میں اکثر دھوکا ہوتا ہے۔

پست درجہ کے افراد کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں واقفیت ہے تو اُس کے ساتھ بہت سی باتوں سے ناواقفیت — سلامت روی ہے تو اُس کے ساتھ کجروی۔ تحفظ و تذکر ہے تو اُس کے ساتھ سہو و نسیان — اصابت رائے ہے تو اُس کے ساتھ غلطی — یعنی محاسن کے ساتھ معائب کی شرکت اور کمالات کے ساتھ نقایص کی آمیزش ہے۔

"خصوصیات انسانی" کے تحت میں اگر ان نقایص کا شمار کیا گیا جن کے ساتھ اُن محاسن کا دامن آلودہ ہے تو "خصوصیات انسانی" کے پایۂ تکمیل پر ہونے یا "انسان کامل" کے مفہوم پیدا ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ سب سے زیادہ جاہل۔ سب سے زیادہ کجرو۔ سب سے زیادہ بھلکڑ اور سب سے زیادہ غلطی کرنے والا ہو۔

لیکن "خصوصیات انسانی" اگر نام ہے اُس کمال کے پہلو کا جو پست افراد میں ان نقایص کے ساتھ آمیختہ ہے تو خصوصیات انسانی کی تکمیل اور انسان کامل کی امتیازی حیثیت یہ ہوگی کہ زائد سے زائد واقفکار، زائد سے زائد سلامت رو، زائد سے زائد باہوش اور زاید سے زاید صائب الرائے ہو۔

غالباً انسانی کمال کی بلند حیثیت کو کوئی شخص پہلی صورت کے ساتھ وابستہ نہیں قرار دیتا اور اسی لئے جناب نیاز بھی باوجود اس کہنے کے کہ "ایک نبی کی شان یہ ہے کہ اُس میں انسانی قوتیں زیادہ تکمیل کے ساتھ پائی جاتی ہوں" اور یہ کہ "وہ ایک انسان ہے لیکن بلند ترین سطح کا" نبی کے لئے اس کی ضرورت قرار دیتے ہیں کہ وہ تمام دوسرے انسانوں سے زیادہ ضبط نفس پر قادر ہے، سب سے زیادہ غائر نگاہ سے سوچتا ہے۔ بہت کم مخالف و متقابل قوتوں سے متاثر ہوتا ہے اور غلطی بہت کم کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی خصوصیات کا کمال اُنھیں محاسن کی تکمیل کے ساتھ وابستہ قرار دیتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ نقائص "انسانی خصوصیات" کا جزو نہیں بلکہ اُن کے ساتھ ایک متضاد حیثیت رکھتے ہیں جو اُن خصوصیات کے پست اور ناقص درجہ میں ہونے کی بنا پر کسی حد تک پائے جاتے ہیں اور جتنی خصوصیات انسانی کی تکمیل زیادہ ہو اُتنے ہی یہ نقایص گھٹتے چلے جاتے ہیں پھر اگر کوئی ایسی ہستی فرض کی جائے جس میں یہ نقایص موجود ہی نہوں تو وہ ایک "غیر انسانی ہستی" یا "انسانی خصوصیات سے معرا ذات" کیونکر قرار پائے گی بلکہ نتیجہ یہی قرار پائے گا کہ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس میں خصوصیات انسانی اپنے پورے درجۂ کمال پر پائے جاتے ہیں اس لئے

وہ نقایص بالکل فنا ہو گئے ہیں اور دوسری لفظوں میں وہ ایک انسان ہے لیکن بلند ترین سطح کا۔

اس کے بعد پھر آخر انسانیت کا لازمہ یہ کیوں قرار دیا جائے کہ اُسے غلطی ضرور کرنا چاہئے۔ اُسے بے راہ روی میں ضرور مبتلا ہونا چاہئے۔ اُسے اپنی خواہشوں کی رو میں کبھی نہ کبھی ضرور بہنا چاہئے ورنہ وہ انسان نہیں سمجھا جائیگا۔ پھر یہ دیکھئے کہ جذبات کی پیروی کرنا جس کا نام ہے گناہ۔ تحفظ و تذکر میں کوتاہی ہونا جس کا نام ہے سہو و نسیان غور و خوض میں صحیح نتیجہ پر نہ پہونچنا جس کا نام ہے غلطی اور خطاء اجتہادی۔ یہ سب ایک ہی سطح کے نقائص ہیں جنھیں "انسانی کمزوری" کے نام سے یاد کر کے عام طور سے انسانیت کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اگر "انسانیت" انھیں نقایص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ان کی پُٹ انسان میں ضرور ہونا چاہئے ورنہ وہ انسانیت سے خارج ہے تو پھر ان میں تفریق کیوں کہ بعض تو نبی میں بالکل مفقود فرض کی جائیں اور بعض کو کم درجہ پر تسلیم کیا جائے؟

آخر یہ کس لئے کہ گناہ تو رسول سے بالکل نہیں ہوتا اور غلطی یا لغزش جو انسانی فراست سے اس دنیا میں ہو سکتی ہے وہ اُس سے بھی ممکن ہے لیکن بہت کم۔

اگر یہ دونوں ہی انسانی کمزوریاں ہیں اور اُن کو ایک انسان میں ہونا چاہئے تو گناہ کو بھی یہ کہا جائے کہ وہ رسول سے ہو سکتا ہے مگر دوسروں کی بہ نسبت کم اور غلطی یا لغزش بھی ہو سکتی ہے مگر دوسروں کے لحاظ سے کم۔

اور اگر گناہ ایک انسان سے باوجود انسان ہونے کے بالکل مفقود ہو سکتا ہے اور اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ "وہ اپنی نیت کے لحاظ سے، اپنے مقاصد کے نقطۂ نظر سے یقیناً ایک معصوم انسان ہے" تو غلطی بھی ایک انسان سے باوجود انسان ہونے کے بالکل مفقود ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ "لیکن اپنے تدابیر، اپنی فہم و دانش کے لحاظ سے اس کاروبار عالم میں وہ کبھی کبھی اجتہادی غلطی بھی کر سکتا ہے۔"

اگر یہ کہا جائے کہ "اجتہادی غلطی" درحقیقت ایک انسان کے لئے کسی طرح کا نقص اور عیب ہی نہیں تو پھر آخر رسول میں جسے کہا گیا ہے کہ وہ بلند ترین سطح کا انسان ہے غلطی کو دوسرے تمام افراد کی بہ نسبت بہت کم قرار دینے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی؟

اس کو دوسروں کی بہ نسبت رسول میں کم قرار دینا ہی صاف غمازی کر رہا ہے کہ یہ ایک دھبہ ضرور ہے جو انسانیت کے دامن پر بدنما حیثیت رکھتا ہے پھر ایک ایسی ہستی کے لئے جو بقول آپ کے ایک بلند ترین سطح سے تعلق رکھتی ہے اُسے بالکل مفقود مان لیا جائے تو کیا گناہ ہے؟ اس صورت میں وہ انسانیت سے خارج کیونکر ہوگا جبکہ اس دھبے کے کم ہونے سے اُس کی انسانیت کی کمی نہیں ثابت ہوئی بلکہ انسانیت میں بلندی پیدا ہوئی تو اُس کے معدوم ہو جانے سے انسانیت مفقود کیونکر ہوگی بلکہ وہ بلند ترین سطح پر پہونچ جائے گی جو حقیقۃً نبوت کا اصلی معیار ہے

"نہ کرنے" اور "نہ کر سکنے" کے لفظی اُلٹ پھیر دل سے حقیقت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی مگر میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ "عصمت" بایں معنی کسی نہ کسی درجہ تک دنیا کے ہر شعبہ میں کار فرما ہے۔

یونیورسٹی اور کالجوں کے امتحانات۔ ایک لڑکا بہت غلطیاں کرتا ہے فیل ہو جاتا ہے۔ ایک ذہین ذکی لڑکا ہر درجہ میں کبھی فرسٹ ڈویژن سے کم معیار کے نمبر پاتا ہی نہیں۔ بے شک کہا جائے گا کہ یہ ذہین لڑکا کبھی فیل نہیں ہو سکتا اور کبھی غلط پرچہ نہیں لکھ سکتا۔

ایک حاذق طبیب کبھی نسخہ غلط نہیں لکھ سکتا۔ ایک ماہر وکیل کبھی بحث میں غلطی نہیں کر سکتا۔ ایک کامل قانون داں جج کبھی فیصلہ غلط نہیں کر سکتا۔ ایک کامل زبان داں کبھی محاورہ کی غلطی نہیں کر سکتا۔

وہ لڑکا جب غلطی کرے گا اُس کی ذہانت و محنت کی کمی سمجھی جائے گی۔ وہ جب نسخہ غلط لکھیگا حذاقت کے نقص کا نتیجہ ہوگا۔ وہ جب بحث میں غلطی کرے گا اُس کی مہارت کی کمزوری ثابت ہو گی۔ وہ جب فیصلہ غلط کریگا اُس کی قانون دانی محل بحث قرار پائے گی۔ وہ جب محاورہ کی غلطی کرے گا اُس کی زباںدانی کا قصور ہوگا۔

اس کے معنی یہی ہیں کہ جو اس سے زیادہ ذہین طالبعلم ہو۔ جو اس سے زیادہ حاذق طبیب ہو۔ جو اس سے زیادہ ماہر وکیل ہو۔ جو اس سے زیادہ قانون داں جج ہو۔ جو اس سے زیادہ محاورہ داں اہل زبان ہو۔ اُس سے یہ غلطی غیر ممکن ہے۔

"غیر ممکن ہے" کیا معنی؟ یعنی اُس کی ذہانت۔ اُس کی حذاقت۔ اُس کی مہارت۔ اُس کی قانون دانی۔ اُس کی زبان دانی غلطی سے مانع ہے۔ اس لئے غیر ممکن۔

یوں ہی اگر کہا جائے کہ ایک نبی و رسول سے گناہ ہونا غیر ممکن، غلطی ہونا غیر ممکن تو اس غیر ممکن کے یہی معنی کیوں نہ قرار دئے جائیں کہ اُس کا کامل احساس فرائض، اُس کی پوری معرفت و حقیقت شناسی اور اُس کی کامل عقل و معاملہ فہمی گناہ اور غلطی سے مانع ہے۔

لطف یہ ہے کہ جناب مدیر نگار اس "نہ کر سکنے" پر ایک جگہ سخت احتجاج کرنے کے بعد اور یہ کہنے کے بعد کہ "ایک انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ باوجود گناہ پر قدرت رکھنے کے اس سے باز آئے، وہ جھوٹ بول سکتا ہو، لیکن نہ بولے، وہ غصہ کر سکتا ہو لیکن نہ کرے، ماحول سے متاثر ہو سکتا ہو لیکن نہ ہو" اس کے بعد پھر خود ہی حضرت رسول کی عصمت پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ تحریر فرما گئے ہیں کہ:- "میں کبھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ کسی معصیت یا گناہ میں مبتلا ہو سکتے تھے کیونکہ گناہ کا تعلق انسان کے ارادہ اور خرابی ضمیر سے ہے اور اس میں کلام نہیں کہ جس حد تک نیت و ارادہ کا تعلق ہے ایک رسول کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ جس حد تک مذہب کا تعلق تھا آپ کی ہر تعلیم وحی و الہام کے ماتحت ہوتی تھی اور اس میں کسی لغزش کا امکان نہ تھا۔"

اب فرمائیے کہ اس "مرتکب نہیں ہو سکتا" اور "امکان نہیں ہے" سے کیا معنی ہیں؟

لفظی تعبیر کے اسی اُلجھاؤ میں پھنس کر فرقۂ شیعہ کے اس عقیدہ پر کہ خدا کے لئے ظلم محال ہے، فعل قبیح محال ہے، کذب محال ہے، وعدہ خلافی محال ہے جس کے دوسرے الفاظ یہی ہوئے کہ خدا ظلم نہیں کر سکتا فعل قبیح نہیں کر سکتا، جھوٹ اور وعدہ خلافی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ جمہور اہل اسلام کی جانب سے بڑی لے دے ہوتی ہے کہ دیکھو یہ خدا کی قدرت سے منکر ہیں اور اُس کو عدل پر مجبور قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ شیعہ عموم قدرت کے منکر نہیں ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کی حکیمانہ شان اُس کی قدرت کو ان اُمور کے ساتھ متعلق ہی نہیں ہونے دے سکتی۔

بالکل اسی صورت سے عصمت کے مسئلہ میں "گناہ نہ کر سکنے" یا "گناہ کے غیر ممکن ہونے" کے یہ معنی قرار دینا کہ معصوم گناہ پر قادر ہی نہیں ہے بالکل غلط ہے۔

"وہ گناہ نہیں کر سکتا" اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس کی عفت نفس اور پارسائی۔ قدس و نزاہت اور حکیمانہ رفعت ارادہ گناہ سے مانع ہے۔

وہ چاہے تو گناہ کر سکتا ہے مگر اپنے بلند انسانی خصوصیات کی بنا پر وہ چاہے ہی گا نہیں۔

اس سے ہرگز قدرت سلب نہیں ہوتی اور نہ "پیدائشی معصومیت" سے نبی کا متصف کرنا لازم آتا ہے جو بے شبہ منصب نبوت کی توہین کرنا ہے۔

دوسرا سوال

"انبیاء و ائمہ اگر غلطی یا لغزش سے پاک تھے تو اس کے عقلی یا نقلی دلائل کیا ہو سکتے ہیں؟"

یہی پہلے سوال کے آخری جزو کا محصل ہے جس کے الفاظ یہ تھے کہ "اگر لغزش و نسیان، اجتہادی غلطی کا امکان انبیاء و ائمہ کو غیر معصوم بنانے کے لئے کافی ہے تو کیوں؟"

جناب نیاز کا فیصلہ اس کے متعلق جو کچھ ہے وہ اُن کی سابقہ عبارت سے ظاہر ہو چکا ہے یعنے اُن کا خیال ہے کہ گناہ سے تو ایک نبی یا رسول کا معصوم ہونا ضروری ہے لیکن لغزش و نسیان اور اجتہادی خطا کا امکان ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ رسول کسی معاملہ میں جو رائے قائم کرے وہ درست نہ ہو اور اُس میں غلطی ہوئی ہو۔

اُن کی دلیل اس کے اوپر یہ ہے کہ "گناہ کا تعلق انسان کے ارادہ اور خرابی ضمیر سے ہے اور اس میں

کلام نہیں کہ جس حد تک نیت و ارادہ کا تعلق ہے ایک رسول کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ لیکن گناہ کے علاوہ ایک چیز اور ہے جسے انسانی لغزش، اجتہادی غلطی، نسیان اور بھول چوک کہتے ہیں اور اس کا امکان ہر وقت ہر انسان سے ہے۔"

میں سمجھتا ہوں کہ ایک نبی کے ساتھ اُمت کا تعلق اگر وہ ہوتا جو ایک سالک و مرتاض پیر مرشد کے ساتھ اُس کے پاک باطن مرید کا یعنے نبی صرف روحانی حیثیت سے بندگان خدا کو خدا سے تقرب حاصل کرنے کا ایک باطنی ذریعہ ہوتا کہ اُس کی روحانی تقدس و پاکیزگی سے فیض حاصل کر کے خلق خدا واصل الی اللہ ہو جائے اور اپنے نفس کو پاکیزہ بنا کر خدا کی بارگاہ سے نزدیکی حاصل کرے، تو بے شک اس کے لئے صرف رسول کا پاک باطن اور ضمیر کی خرابیوں سے علٰحدہ ہونا ضروری تھا تاکہ اُس کی باطنی صفائی اور نیت کی پاکیزگی سے مرتاض مرید کی روحانیت میں اضافہ ہو اور اُس کے نفس میں صفائی پیدا ہو۔ اس کے لئے اُس میں کسی قسم کی معاملہ فہمی اور اصابت رائے عقلی کمال کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کیونکہ آخرت کی نجات کا تعلق ضمیر و نیت ہی کے ساتھ ہے اور اس لئے صاف سادہ مسلمانوں کے لئے یہ روایت نوک زبان ہے کہ "اہل الجنۃ بلہ" (یعنی بہشت کے لوگ سادہ لوح بھولے بھالے ہوتے ہیں) اور اسی لئے ایک بہت بڑے عالم اسلام کا مقولہ ہے:۔

"رب رجل نرجو شفاعتہ ولا نقبل شہادۃ"

(یعنی) بہت سے ایسے آدمی ہیں کہ ہم اپنے لئے اُن کی شفاعت کے متوقع ہو سکتے ہیں (کیونکہ یہ آخرت کا معاملہ ہے) لیکن محکمۂ قضا میں اُن کی گواہی قبول نہ کریں گے (کیونکہ اس میں معاملہ فہمی اور عقل و تدبر کی ضرورت ہے")

مگر ایک نبی و رسول کی نسبت یہ خیال اگر کوئی ملائے مسجد یا صاف سادہ مقدس "مولوی" ظاہر کرتا تو پھر بھی قابل تعجب نہ تھا لیکن جناب مدیر نگار ایسے روشن خیال، وسیع النظر، متنور الفکر انسان کی جانب سے ہرگز اُس کا اظہار ممکن نہیں ہے۔

پھر جبکہ رسول کی حیثیت صرف ایک واسطۂ روحانی اور وسیلۂ باطنی کی نہیں ہے بلکہ وہ اُمت کی عملی اصلاح کا ذمہ وار۔ اُن کے انسانی خصوصیات کا مکمل اور اپنے قول و عمل سے اُن کا حقیقی رہنما اور اُن کے لئے اتباع و پیروی کے واسطے ایک نمونہ ہوتا ہے۔ تو اب اُس کے لئے صرف باطن کا صاف اور ضمیر کا پاک ہونا ہرگز کافی نہیں ہے۔ وہ اپنے باطن اور ضمیر کے لحاظ سے کتنا ہی مکمل ہو لیکن اگر وہ قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ رائے قائم کرنے میں غلطیاں کرتا ہے۔ غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط سمجھ لیتا ہے اور غلط طرز عمل کو صحیح سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور غلط راستے پر چلتا اور دوسروں کو چلاتا ہے تو ایسا شخص ہرگز اصلاح خلق اور رہنمائی اُمت کے قابل نہیں سمجھا جا سکتا اور کسی طرح نبوت و رسالت کے عہدہ کا اہل نہیں ہے۔

دُنیا کے ہر شعبہ میں اسی عصمت کی تلاش ہوتی ہے۔ مریض کو لاکھ یقین دلایئے کہ فلاں حکیم تمہارے بارے میں "بدنیت" ہرگز نہیں ہے۔ یعنی وہ جان بوجھ کر تمھیں نہیں مار ڈالیگا لیکن اُس کی اس "نیک نیتی" سے کبھی اُسکے مرض کا "درمان" نہیں ہو سکتا جبکہ وہ نسخوں میں غلطی کر جائے یعنے زہر کو تریاق سمجھ کر دیدیتا ہو۔ وہ تلاشش کریگا "حاذق" کی یعنے جس سے غلطی نہ ہوتی ہو۔

ایک موکل کو ہزار اطمینان دلایئے کہ فلاں وکیل تمہارا دشمن نہیں ہے اور سمجھ بوجھ کر تمہارے مخالف پیروی نہیں کرے گا مگر کیا نتیجہ جبکہ اُسے معلوم ہو کہ اُس میں اصابت رائے نہیں یعنے وہ مضر پوائنٹس کو مفید سمجھ کر عرضی دعوے میں تحریر کرتا اور بحث میں پیش کرتا ہے جس کی وجہ سے مقدمہ ہار جاتا ہے۔ وہ تلاش کرے گا "ماہرفن" وکیل کی یعنی جو دھوکا نہ کھاتا ہو۔

ایک طالبعلم کو کتنا ہی مشورہ دیجئے کہ فلاں اُستاد سے تعلیم حاصل کرو۔ وہ تمہیں غلط مطلب غلط سمجھتے ہوئے نہیں بتائیں گے۔ وہ کہیگا پھر میرا کیا فایدہ جبکہ وہ غلط مطلب صحیح سمجھ کر مجھے تبلائیں اور میری ذہنی گمراہی کا سبب قرار پائیں۔ وہ تلاش کرے گا ایسے معلم کی جو صحیح مطلب سمجھا ہو اور اُسے صحیح طریقہ سے سمجھا بھی دے۔

وکالت، بیرسٹری، پروفیسری، ماسٹری، تھانہ داری، ججی، کلکٹری، ڈاکٹری، کلرکی غرض ہر عہدہ و منصب کو سارٹیفکٹوں اور ڈپلوماؤں کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے اور یہ تمام اسناد امتحانوں کی کامیابی کے ساتھ وابستہ اور کامیابی کے بھی مراتب اور بوقت اختلاف ترجیح ہمیشہ ممتاز درجہ کے پاس ہونے والوں کو دیجاتی ہے۔ اور کامیابی و ناکامی نیز کامیابی کے درجوں کی تفریق امتحان کی کاپیوں کی جانچ پر مبنی اور ممتحنین کی طرف سے کاپیوں کی جانچ نمبروں کا دینا سب غلطیوں کی کمی اور زیادتی کے ساتھ متعلق۔ جس نے غلطیاں زیادہ کیں اُسکے نمبر سب سے کم۔ جس نے غلطی کم کی یا بالکل نہیں کی اُس کے نمبر سب سے زیادہ۔ وہ فیل۔ یہ پاس، وہ سند سے محروم۔ یہ سند سے سرفراز۔ وہ عہدہ و منصب سے مایوس۔ یہ عہدہ کا مستحق۔ اب جایئے ممتحنین کے پاس۔ قسمیں کھا کھا کر اُنھیں یقین دلایئے کہ طالبعلموں کی نیت صاف ہوتی ہے اور ضمیر میں خرابی نہیں ہوتی یعنے وہ جو غلطی کرتے ہیں غلطی سمجھ کر ہرگز نہیں کرتے۔ ممتحن یہی کہیں گے کہ ہمیں نیت سے نہیں بحث۔ غلط پرچہ لکھنے والا صحیح سمجھ کر اُس غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہی تو اُس کی غلطی ہے۔ اس لئے پاس ہونے کا مستحق نہیں ہے۔ یونیورسٹی کے ارکان اور اہل حل و عقد کے پاس جایئے کہ یہ طالبعلم فیل ضرور ہوا ہے مگر جان بوجھ کر فیل نہیں ہوا۔ نیت اُسکی پاک ہے لہٰذا سند سے محروم نہ کیا جائے۔ وہ کہیں گے ہمیں نیت سے بحث نہیں۔ بہر حال پاس ہونے کے قابل نہ تھا اسلئے سند پانیکا مستحق نہیں۔ خداوندان عہدہ و منصب کے پاس جایئے کہ اسکو منصفی، ججی، پروفیسری وغیرہ کے عہدوں سے محروم نہ کیجئے۔ اسنے پرچے غلط لکھے غلطیاں ضرور کیں مگر غلط سمجھ کر نہیں کی۔ یہ پاس نہیں ہوا مگر جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ وہ کہیں گے ہمیں اس سے مطلب نہیں ہمارے یہاں

تو اتنی قابلیت کی ضرورت ہے مگر اس سند کی حاجت ہی بہر حال جب غلطیاں کیں معلوم ہوا قابلیت ناقص ہے لہذا عہدہ و منصب کی اہلیت نہیں۔ غرض دنیا کے ہر شعبہ میں جس عصمت کی تلاش ہے اور جس پر دنیا کا نظام قایم ہے وہ یہی عصمت ہے یعنی غلطیوں سے عصمت۔

اب چونکہ ہماری قدرت کوتاہ ہے اس لئے ہم ہر شعبہ میں اپنے مقدور بھر تلاش کرتے ہیں۔ ہم کو بالکل "مکمل عصمت" نہیں ملتی مگر اُس کے زیادہ سے زیادہ کامل نمونہ کو ہم اختیار کر کے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض انجام دیدیا۔ طبیب کی تلاش ہوئی تو ایسا طبیب ڈھونڈھ لیا جو ہمارے حدود دسترس میں کم از کم غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہو۔ وکیل ڈھونڈھا تو ایسا جو کم از کم غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہو۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

درحقیقت یہ "کم از کم" کی تحدید ہماری "کوتاہ دستی" کا نتیجہ ہے۔ ہماری پیاس بھی اس "کم از کم" پر بجھتی نہیں مگر "عصمت بی بی بے چادری" ہمارا امکان اس سے زیادہ نہیں اس لئے اپنے دل کو تسکین دے لیتے ہیں۔

لیکن اگر ان میں سے ہر شعبہ میں منتخب کرنے والی ایسی ہستی ہو جس کی قدرت محدود نہیں ہے اور اطلاع کوتاہ نہیں ہے اور جس سے خود بھی غلطی کا امکان نہیں ہے تو ہم کو سمجھنا لازمی ہے کہ اُس نے بھی "عصمت" کے جوہر کو نظر انداز نہیں کیا ہوگا اور چونکہ اُس کے علم و قدرت میں کوتاہی نہیں۔ اس لئے اُس کو "کم از کم" والی مجبوری پیش نہ آئی ہوگی اور اُس نے کامل "غلطی سے مبرا" ہی کو مقرر کیا ہوگا جس کی اصطلاحی لفظ ہے "معصوم"۔ میں طبیب ڈھونڈھتا ہوں "معصوم" مگر مجھے ملتا نہیں۔ اگر خدا میرے لئے کسی طبیب کو خود مقرر کر دے تو مجھے یقین کرنا چاہیئے کہ وہ اُس کے علم میں "معصوم طبیب" ہے اور اُس کے علم میں تخلف نہیں ہے۔

میں وکیل ڈھونڈھتا ہوں "معصوم" مگر میرے امکانی ہاتھوں سے وہ دستیاب نہیں ہوتا۔ اگر خدا میرے مقدمہ کی پیروی کے لئے کوئی وکیل مقرر کر دے تو میں یقینی طور پر سمجھوں گا کہ وہ "معصوم وکیل" ہے۔ ایسے ہی ہر شعبہ میں۔

نبی و رسول کا تقرر اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں بھی اپنے نزدیک نبوت و رسالت کے لئے "معصوم" ہی کو ڈھونڈھتا مگر جیسے طبیب مجھے بالکل معصوم نہ ملا۔ وکیل بالکل معصوم نہ ملا۔ ویسے نبی و رسول بھی بالکل معصوم میرے ہاتھوں سے دستیاب نہ ہوتا مگر جو سب سے زیادہ مکمل درجہ میری تلاش میں ملتا اُس کو اپنا مقصد قرار دے لیتا میں بے شک ایسے کو نبی بنا لیتا اور رسول منتخب کر لیتا جو میرے حدود اطلاع میں غلطیوں سے زیادہ سے زیادہ محفوظ ہو یعنی کم سے کم غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہو لیکن نبوت کا عہدہ تو براہ راست خدا سے تعلق رکھتا ہے اور اُسی کی قرارداد پر مبنی ہے۔ اُس نے اگر "معصوم" کو نہ ڈھونڈھا تو وہ اپنے "حکیمانہ انتخاب" میں مجھ سے بھی پست ہو گیا۔ اس لئے منتخب کرے گا تو وہ معصوم ہوگا اور چونکہ اس کا ڈھونڈھ کر منتخب کرنے والا میں نہیں ہوں بلکہ خدا ہے اس لئے وہاں "کم از کم" والی حد بندی کے کوئی معنی نہیں۔ وہ مقرر کرے گا تو ایسے ہی کو

جو بالکل غلطیوں سے مبرا معصوم عن الخطاء ہو۔
اور یہی رمز ہے کہ شیعوں نے امامت میں بھی عصمت کی شق لگادی ہے چونکہ امامت و خلافت بھی اُنکے نزدیک مثل نبوت کے خدا کی طرف کا مقرر کردہ منصب ہے اس لئے "رمزِ عصمت" میں نبوت و امامت دونوں مشترک حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسی عصمت کی ضرورت "نبوت" میں ویسی ہی "امامت" میں۔ تفرقہ کی کوئی گنجایش نہیں۔

بھلا بتائیے تو سہی کہ صرف نیک نیتی اور ضمیر کی پاکیزگی ایک نبی و رسول کے لئے کس مرض کی دوا ہوگی اور مقصد نبوت و رسالت کو کس طرح پورا کرے گی جبکہ اُس کی غلطیوں کی بنا پر اُس کے ہاتھوں خلق خدا کے گمراہ ہونیکا اندیشہ موجود ہے۔
چلتی ہوا کے جھونکے کو جبرئیل کے پر کی ہوا سمجھتا اور نیک نیتی کے ساتھ حقیقۃً یقین کر لیتا ہے۔ دیوار کے پیچھے چھپے ہوئے انسان کی آواز کو صدائے غیبی جانتا اور اُس پر ایمان لے آتا ہے اور اپنے دل میں پیدا شدہ خیالات کو خواہ مخواہ خدا کی طرف سے نازل شدہ خیال کرتا اور واقعی اعتقاد کر لیتا ہو۔ غلط باتوں کو صحیح سمجھتا اور اپنے نزدیک لوگوں کو اُسی صحیح راستے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ غیر ضروری باتوں کو ضروری اور ناروا افعال کو لازم العمل سمجھ کر دنیا کو دعوت دیتا، سختی کے ساتھ اُن پر خود کاربند ہوتا اور دوسروں کو کاربند بناتا ہے۔ یقیناً ایسے شخص کے دامن پر "گناہ" کا دھبا مشکل سے لگایا جا سکیگا۔ اُس کے ضمیر پر حملہ ہرگز روا نہو گا۔ سزائے اخروی کا ایسے شخص کو مستحق ثابت کرنا بہت دشوار ہے۔ لیکن کیا مقصد نبوت و رسالت ایسے شخص سے انجام پایا؟ ہدایت خلق کا مقصد حاصل ہوا اور دنیا ہدایت یافتہ ہوئی؟
میں سمجھتا ہوں کہ کسی چھوٹے موٹے گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا اور دنیا کو بتلا دینا کہ یہ گناہ ہے اتنا خطرناک اور مقصد نبوت کے لئے مضرت رساں نہیں ہے جتنا غلط فہمیوں میں مبتلا ہونا، گناہ کو ثواب سمجھ کر کرنا اور غلط مسلک کی طرف صحیح سمجھ کر رہنمائی کرنا۔

مسائل الوہیت و نبوت کے بارے میں جہاں تک ارباب تحقیق کا خیال ہے اُن کا اصل تعلق عقلی احکام کے ساتھ ہے اور دلایل نقلیہ کو ثانوی حیثیت حاصل ہے کیونکہ نقل کے حدود عمل ہی ان دونوں مرحلوں کے بعد سے شروع ہوتے ہیں۔ نیز عقلی احکام قطعی حیثیت رکھتے ہیں لیکن نقلی دلائل زیادہ تر مظنون الدلالۃ۔ اس لئے ظاہری الفاظ کسی مسلمہ عقلی کے خلاف بھی نظر آتے ہیں تو انھیں بہرحال ایسے معنی پر محمول کیا جاتا ہے جو قطعی الثبوت نتائج کے خلاف نہوں۔

اسی لئے " الرحمٰن علی العرش استویٰ "، کے الفاظ سے خدا کے تمکن جسمانی، اور "یداہ مبسوطتان" سے خدا کے لانبے لانبے ہاتھوں کا عقیدہ درخور قبول نہیں قرار دیا گیا اور اُس کے معنی بہر حال ایسے قرار دئے گئے جو ذوق سلیم کے بالکل خلاف بھی نہوں اور ایک قطعی الثبوت حقیقت کے منافی بھی نہ قرار پائیں۔

یہی صورت نبوت کے عقیدہ کی ہے۔ اسی بنا پر خود جناب نیاز کو بھی تاویل سے چارۂ کار نظر نہیں آیا کیونکہ "گناہ" سے انبیاء کی عصمت کا خود اُنھوں نے اقرار کیا ہے مگر اُن کے پیش کردہ آیات میں "گناہ" ہی کے مرادف لفظ کا تذکرہ ہے۔

" استغفر لذنبک " اور " لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک " ان دونوں آیتوں میں صاف "ذنب" کی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "گناہ" اور مغفرت کی لفظ کا تعلق بھی یہی بتلاتا ہے اور " عفا اللہ عنک " کے الفاظ بھی اسی کی ترجمانی کرتے ہیں مگر چونکہ گناہ کی نسبت کو خود اُن کی عقل نے بھی قطعی طور پر منتفی قرار دیا ہے اس لئے اُنھوں نے ان تمام آیات کو خطار اجتہادی پر ڈھالا ہے حالانکہ اجتہادی غلطی ہرگز " ذنب " کا مصداق نہیں ہوتی۔

اُنھوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ رسول کسی "معصیت" یا گناہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا لیکن " عصیٰ آدم ربہ فغویٰ " قرآن مجید میں موجود ہے جس میں صاف لفظ معصیت کا استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ایسے آیات موجود ہیں جن سے رسالتمآب کے غلطیوں سے بری ہونے کا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے اور جسے صحیح نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں جبکہ شان نبوت و رسالت قطعی طور سے اسی کی مقتضی بھی ہو جیسا کہ اس سے قبل توضیح کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

آیت :- "قل ان ضللت فانما اضل علی نفسی وان اھتدیت فیما یوحی الی ربی" میں بطور تعلیق ضرور کہا گیا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو تو میں اُس کا ذمہ دار ہوں گا اور اگر سیدھی راہ اختیار کروں تو خدا کی ہدایت سے ہے۔"

لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ جملہ شرطیہ کے دونوں طرف کے لئے وقوع ضروری نہیں ہے۔ اُس میں ثبوت اور نفی دونوں کی گنجایش ہے۔ مگر دوسری آیت میں صاف پہلے جملہ والی شرط کو منتفی قرار دیا گیا ہے یعنے ارشاد ہوا ہے:۔ " ما ضل صاحبکم وما غویٰ "۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ بے شک امکانی حیثیت کے حدود میں بحیثیت بشری رسول لغزش پر بھی قدرت رکھتا ہے لیکن اس لغزش کا وقوع نہیں ہے۔ رہ گیا اس کا عدم وقوع وہ اُن خصوصیات انسانی کے اعلیٰ معیار کی بنا پر ہے جو رسول کو حامل وحی بنانے کا باعث ہیں جسے "فیما یوحی الی ربی"

کی لفظوں میں ذکر کیا گیا ہے — اور انھیں دونوں پہلوؤں کو ”قل انما انا بشر مثلکم“ — یوحیٰ الیّ میں نمایاں کیا گیا ہے یعنے پہلے جزو میں رسول اور دوسرے افراد کے درمیان جو نقطۂ اشتراک ہے اُس کا تذکرہ ہے اور دوسرے میں ما بہ الامتیاز کا ذکر ہے جو رسول کی ذات کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے کیونکہ خدا کی وحی بغیر استحقاق نہیں ہوا کرتی اور استحقاق خصوصیات ذاتی پر مبنی ہے۔

”وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ“ میں صاف ظاہر کیا گیا ہے کہ پیغمبر کا کوئی کلام مرضی الٰہی کے خلاف ہوتا ہی نہیں اور جو کچھ زبان سے کہیں وہ وہی ہے کہ اگر وحی بھی اُترتی تو وہی کہتی جو انھوں نے اپنے ذاتی ارادہ سے کہا ہے۔

آیات اتباع جیسے :۔ ”ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ ”ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ“ وغیرہ یہ بھی غیر مبہم طریقہ سے پیغمبر کے اتباع کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ”اتباع“ اور ”اطاعت“ میں فرق ہے کیونکہ اطاعت صرف احکام سے تعلق رکھتی ہے اور اتباع اور تاسّی دونوں عمل سے متعلق ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کو نمونۂ عمل قرار دیا گیا ہے جس کے بعد غلطی کے امکان کے کوئی معنی نہیں۔

”انک لعلیٰ خلق عظیم“ میں بھی خدائے عظیم کی جانب سے رسول کے افعال و اعمال کو اعتدال عظیم پر فائز قرار دیکر اُس میں کسی طرح کے نقص و کمزوری کے شبہ کا سد باب کر دیا ہے اور ”النبیّ اولیٰ بالمومنین من انفسھم“ کے الفاظ میں اُن کو تمام مومنین کے متعلق خود اُن مومنین کے ذاتی اختیارات سے بالاتر اختیارات تفویض کرکے اس کی ذمہ داری لے لی ہے کہ یہ جو کچھ مسلمانوں کے حق میں کریں گے وہ مسلمانوں کے لئے مفید ہی ہوگا جس کے بعد اس کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ جو کچھ اُنھوں نے مسلمانوں کے لئے سوچا ہوا طریق عمل اختیار کیا ہو اور اُنھیں ہدایت کی ہو وہ درحقیقت موزوں نہ ہو اور خود مسلمان اُن کے حکم کے خلاف اپنے لئے جو صورت تجویز کریں وہ مناسب و اصلح ہو۔

درحقیقت ایک نبی و رسول کے لئے غلطی کا امکان ہونے کی صورت میں پھر تو اُس کے کسی قول و فعل پر قطعی طور سے اعتماد ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ ٹھیک ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ظن حاصل ہوگا لیکن اصول عقائد میں ظن کوئی چیز نہیں۔ ”انّ الظنّ لا یغنی من الحق شیئًا“

اسی لئے بعض وہ علمائے اسلام جنھوں نے خطاء اجتہادی کو رسول کے لئے جائز کہا ہے۔ اُنھوں نے بھی یہ کہا ہے کہ رسول سے خطاء اجتہادی ممکن تو ہے مگر خدا اُس خطا پر رسول کو برقرار نہیں رہنے دیتا۔ اُس کی طرف سے اُس خطا کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اس کے نظائر میں یہی مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ :۔

"عبس وتولّٰی ان جاءہ الاعمٰی" ——— اور "عفا اللہ عنک لم اذنت لہم" ——— وغیرہ

اس کا لازمہ یہ ہے کہ جہاں پر خطا کی اصلاح نہ ہو اور کسی آیت کے ذریعہ سے اُس خطا پر تنبیہ نہ کیا گیا ہو وہ خطا نہ سمجھی جائے گی بلکہ رسول کا قول وعمل خداوند عالم کی جانب سے تنبیہ نہ کئے جانے کے ضمیمہ کے ساتھ دلیل قطعی ہوگا اُس طرز عمل اور ہدایت کی صحت کا۔

اب یہ ملاحظہ کیجئے کہ خلافت جناب امیر کے مسئلہ میں اگر رسول سے خطاء اجتہادی ہوئی تو اُس کا سلسلہ کب سے شروع ہوا؟ اُس وقت سے کہ جب نبوت کا ابتدائی دور تھا اور بعیت العشیرہ میں پیغمبر نے لوگوں سے اپنی نصرت کا وعدہ لینا چاہا اور کوئی طیار نہوا اور صرف علی تھے جنھوں نے لبیک کہی اور اُسوقت رسول نے ارشاد کیا کہ یہی میرا وزیر ہوگا، خلیفہ ہوگا اور جانشین ہوگا۔

اُس وقت سے خطاء اجتہادی کی بنیاد پڑی اور پھر ہر موقع پر رسول اپنی اس خطاء اجتہادی کا پروپیگنڈا کرتے رہے۔ جس میں ماہ گزرے۔ سال گزرے۔ رزم و بزم کے کتنے ہی موقع سامنے آگئے اور ہر جگہ پیغمبر نے اپنے اس پروپیگنڈے کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ سب سے آخر میں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں حج آخر کے بعد بڑے شد و مد کے ساتھ رسول نے تقریر کر کے مسلمانوں کے سامنے اپنے اس نظریہ کو پیش کیا، خلق خدا کو عام دعوت دی اور علی کی خلافت کا اعلان کیا۔

اس کے بعد جب مدینہ واپس آئے تب بھی جب تک مرض الموت کی شدت انتہا تک نہیں پہونچی۔ جب تک کہ بات کرنے اور تقریر کرنے کا دم رہا اپنی اس خطاء اجتہادی کی تبلیغ کرتے رہے اور اس طول طویل مدت، تمام زمانۂ رسالت میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر خدا نے تنبیہ کی۔ اندھے کی بات نہ سنی اور اُس کی طرف سے منھ پھیر لیا۔ تنبیہ ہوئی۔ بعض لوگوں کو جنگ میں شمولیت کی اجازت دی۔ تنبیہ ہوئی۔ بعض عورتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا۔ تنبیہ ہوئی۔ سورۂ برائت سنانے کسی غیر مستحق کو بھیجدیا۔ تنبیہ ہوئی لیکن اتنے مہتم بالشان مسئلہ میں رسول آخر عمر تک خطاء اجتہادی پر برقرار رہے۔ اُس کی تبلیغ کرتے رہے۔ اُس کی جانب دعوت دیتے رہے مگر خدا نے آدھی بات بھی نہ کہی۔ ذرا کمزور اور چھوٹی سے چھوٹی تنبیہ بھی نہوئی یہاں تک کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہوا پھر قرآنی وحی کا سلسلہ بھی بند ہوگیا مگر رسول اس کے بعد بھی اپنی خطاء اجتہادی پر قایم رہے۔

بلکہ اس دوران میں خدا نے عوض اس کے کہ رسول کو اُن کی خطاء اجتہادی پر تنبیہ کرتا اپنے رویہ سے اُن کی خطاء اجتہادی کو اور تقویت دی مثلاً علی نے حالت رکوع میں سائل کو انگھوٹھی دیدی۔ وہاں سے آیت اُتر آئی:— "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون"

اہلسنت کی تفسیریں اُٹھا کر دیکھو۔ سب نے یہ روایت لکھی ہے کہ مراد اس سے علی ہیں۔ اب لاکھ اہلسنت شور مچائیں کہ "ولی" کے معنی یہاں مددگار۔ ناصر۔ دوست وغیرہ کے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ولی کے معنی حاکم و متصرف کے بھی ہیں ضرور۔ اب فرض کرو کہ خدا کا مقصود اس لفظ سے وہی ناصر و مددگار رہا بھی ہو لیکن کیا اس سے رسول کی اُس خطار اجتہادی کو تقویت حاصل نہیں ہوئی؟

رسول نے کہا:۔ "انا مدینۃ العلم و علی بابہا فمن اراد العلم فلیات الباب"۔ میں شہر علم ہوں اور علی اُسکا دروازہ ہیں، تو جو شخص علم کا طالب ہو وہ دروازہ پر آئے۔

خدا نے ارشاد کیا:۔ "لیس البر ان تاتوا البیوت من ظہورہا ولکن البر من اتقیٰ واتوا البیوت من ابوابہا" (یعنی) ہرگز یہ حسن عمل نہیں ہے کہ تم گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہو بلکہ گھروں میں جاؤ تو دروازوں کی طرف سے جاؤ"۔

اب سُنی کہیں اور ممکن ہے سچ بھی کہتے ہوں کہ یہ عام بات ہے، اس کا علی سے کوئی تعلق نہیں مگر رسول کے اُس قول کے ساتھ اس آیت کے اُترنے نے رسول کے پروپیگنڈے کو کیا قوت نہیں پہونچائی؟

رسول سورۂ برأت لیجانے پر حضرت ابوبکر کو مامور کرتے ہیں۔ خدا واپس منگواتا ہے یہ کہکر کہ تمھاری نمائندگی صرف علی ہی کر سکتے ہیں۔ اس سے مقصود خلافت کی قرار داد نہ ہو لیکن کیا رسول کی خطار اجتہادی کو جو حضرت علی کے بارے میں تھی اس سے قوت نہیں حاصل ہوئی؟

رسول غدیر خم میں تقریر کرتے ہیں اور اپنی "خطار اجتہادی" کے وسیع "پروپیگنڈے" کی سب سے آخری اور پرزور کارروائی عمل میں لاکر علی کی خلافت کا اعلان کرتے ہیں اور خدا کی طرف سے آیت اُترتی ہے:۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

(یعنی) "آج میں نے تمھارا دین کمل کیا۔ آج اپنی نعمت پوری کی اور آج تمھارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ کیا"۔

اس سے حقیقت میں مقصود جو کچھ بھی رہا ہو لیکن کیا اس سے رسول کی خطار اجتہادی پر مہر تصدیق ثبت نہیں ہوئی؟

میں سچ کہتا ہوں اور خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر شیعہ واقعاً گمراہی میں مبتلا ہیں اور روز قیامت سوال ہوا تو شیعہ صاف کہدیں گے کہ ہماری گمراہی کی ذمہ دار تیرے حبیب کی خطار اجتہادی ہے اور اُنکی خطار اجتہادی کو تقویت پہونچانے کی ذمہ داری تیرے رویّہ اور جانبداری و حمایت پر ہے جس کے بعد اگر ہم گمراہ ہوئے تو تیرے ہاتھوں اور تیرے حبیب کے ہاتھوں، ہم بالکل بے قصور ہیں اور بالکل بے گناہ۔ اور پھر جب تیرا حبیب خطار اجتہادی میں مبتلا ہو سکتا ہے اور اپنی عمر بھر مبتلا رہ سکتا ہے تو ہم تو گنہگار انسان ہیں

—— ہم اگر خطار اجتہادی میں مبتلا ہوئے اور عمر بھر مبتلا رہے تو ہمیں سزا دینے کا کیا حق حاصل ہے؟ اس کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ اور یقیناً اگر خدا ظالم نہیں ہے تو کبھی وہ ہم کو اس کے بعد آتش جہنم میں نہیں بھیج سکتا۔ ہم نجات کے حقدار ہیں اور کوئی طاقت ہم کو ہمارے اس حق سے محروم نہیں کر سکتی"۔

تیسرا سوال

وصایت جناب امیرؑ ثابت کرنے کے لئے حضرات شیعہ کیا نصوص قطعیہ پیش کرتے ہیں؟

اس بحث کے بہت سے اجزار ناقص اور غیر مکمل صورت میں "ہر نام" صاحب کے مضمون میں آ چکے ہیں اس لئے ایک غیر متعلق ہندو دوسرے مذہب کے متعلق کتنی ہی وسعت نظر حاصل کرے لیکن اُسی مذہب کے ایک واقفکار انسان کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور اُن اجزار کے ثبوت وصحت کے اوپر جناب نیاز کی مہر تصدیق بھی ثبت ہو چکی ہے لیکن ضرورت ہے کہ ہم اُن کو اس جگہ مکمل اور حقیقی صورت کے ساتھ پیش کریں جس کی بنا پر اُن کو شیعہ بطور نصوص قطعیہ سمجھتے اور پیش کرتے ہیں۔

(۱)

واقعۂ بیعت عشیرہ جس میں حضرت رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

"ہذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم"۔ اس ارشاد کے لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی بنا پر یہ کہنا کسی صورت سے صحیح نہیں کہ یہ رسول نے بطور مشورہ ارشاد کیا تھا اور مطلب یہ تھا کہ اگر خلیفہ کا انتخاب کیا جائے تو میرا ووٹ بحق علی سمجھنا۔ بلکہ الفاظ اور عنوان واقعہ سے صاف ظاہر ہو کہ یہ ایک قرار داد اور اعلان ہے جو رسول کی جانب سے کیا جا رہا ہے۔

رسول کا سب سے پہلے تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ کہنا کہ کون شخص تم میں سے میرا ساتھ دیتا ہے تاکہ وہی میرا خلیفہ و وزیر ہو اور پھر جب سب نے سکوت کیا اور علی نے اقرار نصرت کیا تو رسولؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ "دیکھو یہ ہے میرا وصی و خلیفہ و وزیر" غیر مبہم طریقہ سے بتلاتا ہے کہ (الف) رسولؐ خلافت کی قرار داد کا اختیار اپنے لئے سمجھتے تھے ورنہ آپ کو اس معاہدہ کا کوئی حق ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جو شخص میری نصرت کا اقرار کرے وہی میرا خلیفہ و وزیر قرار پائے گا۔

(ب) یہ کہ جب علی نے وعدۂ نصرت کر لیا تو اُسی وقت معاہدہ کی تکمیل اور ولی عہدی و جانشینی کا اعلان کر دیا گیا اب جس وقت تک کہ یہ حکم منسوخ نہ ہو اُس وقت تک اُس سے تخلف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اسی بنا پر بعض روایات میں موجود ہے کہ جب اس کے بعد مجمع متفرق ہوا تو قریش جناب ابو طالب (حضرت علی کے والد سے)

بطور تمسخر کہہ رہے تھے کہ لیجئے اب تو اپنے بیٹے کی اطاعت کیجئے۔ اُن کو آپ پر حاکم مقرر کر دیا گیا۔
پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ پوری کارروائی رسول کی جانب سے بنا بر وحی عمل میں آئی تھی جس کے متعلق قرآن مجید میں آیت موجود ہے:-

"انذر عشیرتک الاقربین و اخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین"

(یعنی اپنے قریب کے عزیزوں کو متنبہ کرو اور اپنے بازوؤں کو جھکا دو اُس شخص کے لئے جو مومنین میں سے تمہارا اتباع کرے)
اس میں صاف دو حکم نظر آرہے ہیں۔ ایک (عشیرتک الاقربین) کا انذار۔ دوسرے اُس شخص کے لئے جو اتباع کی ہامی بھرے اور نصرت کا اقرار کرے ایک خاص قسم کا امتیاز جسے " واخفض جناحک " کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام مذہبی شعبوں میں " وحی متلو " یعنی قرآن کی ہدایتیں مجمل حیثیت رکھتی ہیں جنکی تفصیل رسول کے عمل سے ہوئی ہے، مثلاً قرآن میں ہے " اقیموا الصلوٰۃ " رسول نے نماز پڑھ کے دکھلائی کہ نمازیوں پڑھی جاتی ہے۔ " کتب علیکم الصیام " رسول نے روزہ رکھکر دکھلایا کہ اس طرح۔ " للہ علی الناس حج البیت " رسالتمآب نے مناسک حج ادا کرکے اُن کی تشریح کی۔ بہرحال جہاں تک دیکھا جائے مذہب کے ہر شعبہ میں قرآنی مندرجات ایک اجمال کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی تشریح ہمیشہ افعال پیغمبر سے ہوئی ہے۔
" واخفض جناحک لمن اتبعک " کا جزو جو " انذر عشیرتک الاقربین " کے ساتھ لگا ہوا ہے اور جس سے باجماع مفسرین بیعت عشیرہ کا واقعہ مراد ہے صاف بتلا رہا ہے کہ یہ " واخفض جناحک " کا حکم کوئی عام بات نہیں ہے جو اس موقع سے کوئی خصوصی تعلق نہ رکھتی ہو بلکہ اس کا تعلق اس موقع کے ساتھ ضرور ہے۔
" اخفض جناحک " کے معنی " حسن اخلاق سے پیش آنے " کے لینا رسول کے وسعت اخلاق کی توہین کرنا ہے کیونکہ وہ رسول تو ایسا تھا جو کفار و مشرکین تک سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتا تھا۔
یقیناً یہ " واخفض جناحک " جو " لمن اتبعک من المؤمنین " کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے کسی طرح کے امتیاز خصوصی کا پتہ دیتا ہے جو اُس موقع پر اتباع کا اقرار کرنے والے کی ذات سے متعلق ہے۔ رسول کے عمل سے ظاہر ہے کہ اُنھوں نے دونوں جزوں کا امتثال کیا اور اُسی امتثال سے درحقیقت اُنکے معانی کی تشریح ہوئی۔
اُنھوں نے اپنے اعزا و اقارب کو جمع کرکے تبلیغ و دعوت کے ساتھ " انذر عشیرتک الاقربین " کی ہدایت کو انجام دیا اور " لمن اتبعک من المؤمنین " کے لئے خصوصی حیثیت سے " واخفض جناحک " کے اتباع میں اُنھوں نے اتباع و نصرت کا اقرار کرنے والی ذات کے لئے ایک امتیاز خصوصی عطا کیا۔
معلوم ہوتا ہے رسول " خفض جناح " (یعنی بازو جھکا دینے) کا مطلب سمجھے ایک طرح کے معاہدہ و

اقرار کا بار اپنے کاندھوں پر لے لینا۔
ممکن ہے کوئی شخص یہ خیال کرے کہ پیغمبر نے خدا کے الفاظ سمجھنے میں غلطی کی۔ "جفض جناح" کے معنی ہرگز نہیں ہو سکتے مگر اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ رسول نے جو کچھ کیا وہ "نیک نیتی" کے ساتھ اپنے خیال میں "بربنائے وحی"۔ اب اگر اُن سے الفاظ وحی کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی تو خدا کا فرض تھا کہ وہ اُن کو اُس غلطی پر متنبہ کرے اور اُس کی اصلاح کر دے اور پھر وحی کے مفاد اور تبلیغ احکام خداوندی میں غلطی تو ایسی چیز ہے جسے غالباً جناب نیاز صاحب بھی رسول کی ذات کے لئے غیر ممکن قرار دیتے ہیں۔
اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی کی جانشینی کا یہ اعلان بربنائے وحی تھا اور حکم خداوندی کی بنا پر تھا جو وحی متلو یعنی قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔

(۲)

آیت ولایت۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔
"انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون"
اس کے لئے ملاحظہ ہوں ذیل کے روایات:۔
الخطیب فی المتفق عن ابن عباس - عبد الرزاق - عبد بن حمید - ابن جریر - ابو الشیخ - ابن مردویہ عن ابن عباس - طبرانی فی الاوسط - ابن مردویہ عن عمار بن یاسر - ابو الشیخ - ابن مردویہ عن علی بن ابیطالب ابن ابی حاتم - ابو الشیخ - ابن عساکر عن سلمہ بن کہیل - ابن جریر عن مجاہد - ابن جریر عن السدی و عتبہ بن حکیم - طبرانی و ابن مردویہ - ابو نعیم عن ابی رافع - ابن مردویہ عن ابن عباس۔
(در منثور للحافظ السیوطی۔ جلد ۲ - صفحہ ۲۹۳ - ۲۹۴)
ان روایات میں متفقہ طور پر یہ مذکور ہے کہ یہ آیت اُس موقع پر اُتری ہے کہ جب حضرت علی نے ایک سائل کو نماز کی حالت میں انگشت شہادت کے اشارہ سے انگوٹھی دی تھی۔
فضائل کے سیاسی تقاضا کی بنا پر علی کی کوئی فضیلت بلا معارض تو رہ ہی نہیں سکتی تھی اس لئے اس آیت کی نسبت بھی بعض روایات دوسرے موجود ہیں مگر مذکورۂ بالا محدثین کی شہادتیں جو بہرحال علی کے ساتھ کوئی جانبداری نہ رکھتے تھے اور مذہبی حیثیت سے اُن کو اس روایت کے گڑھنے کی ضرورت تھی اُن دوسرے معارض روایات کو جو بجائے خود بھی متعارض ہیں بالکل مشکوک بنا دیتی ہیں اور اسی لئے تمام مفسرین اہلسنت اس روایت سے بالکل انکار کی گنجائش ہرگز نہیں پاتے مگر وہ کہتے ہیں کہ "ولی" کے معنی ناصر و مددگار کے ہیں - حاکم و متصرف کے معنی مراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ بے شک کیا ضرورت ہے اگر قرائن کی بنا پر

انہی معنی کا تعین نہوتا ہو کیونکہ لفظ مشترک کا کسی ایک معنی کے ساتھ تعلق ہمیشہ قرائن ہی کی بنا پر ہوتا ہے۔

یہاں مددگار و ناصر مراد لینے سے ایک تو خاص کوئی محصل اس آیت کا ہوتا ہی نہیں اس لئے کہ مددگار و ناصر تو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:۔ "والمؤمنون بعضہم اولیاء بعض"۔ (یعنی مومنین آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں) پھر اس میں تخصیص کے کیا معنی؟ اور پھر رسول اپنے قول و عمل سے اسی لفظ کی حاکم و متصرف کے معنی میں تکرار کر کرکے برابر تفسیر کرتے رہے جیسے بریدہ کی روایت جس میں آپ نے فرمایا "ہو ولیکم بعدی"۔

ان الفاظ کا تذکرہ کثیر التعداد روایات میں موجود ہے جن میں سے بعض ہر نام صاحب کے مضمون میں آ چکی ہیں ۔۔۔ پھر جبکہ رسول کے ان ارشادات میں واضح طور پر یہ معین ہے کہ ولی کے معنی حاکم و متصرف کے ہیں اور اسی بنا پر جناب مدیر نگار بھی تحریر فرماتے ہیں:۔ "اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ انکے بعد جناب امیر خلیفہ قرار دئے جائیں جیسا کہ آپ نے بارہا اشارتاً و کنایتاً کیا بلکہ ایک حد تک صراحتاً اس کو ظاہر بھی کیا"۔ اور جبکہ یہی "ولی" کی لفظ قرآن مجید میں بھی موجود ہے اور جبکہ بروایت اکثر مفسرین وہاں بھی ولایت کی صفت علی کے لئے قرار دی گئی ہے تو پھر آخر رسول کے ان ارشادات کے بر بنائے وحی ماننے میں کیوں توقف کیا جائے؟ اتنا تو کم از کم ضرور ہی ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ نے اس "ولی" کی لفظ کے معنی جو قرآن میں ہے "حاکم و متصرف" ہی کے سمجھے اور اس سے مراد بھی علی ہی کی ذات قرار دی اور اس لئے وہاں چونکہ خدا و رسول کے بعد ولایت میں علی کا درجہ رکھا گیا تھا لہذا آپ نے بھی ارشاد کیا:۔ "ہو ولیکم بعدی"۔

اب اگر رسول سے الفاظ وحی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی تو خدا کا فرض تھا کہ تنبہ کر دیتا اور اس غلطی پر رسول کو برقرار نہ رہنے دیتا اور پیغمبر الفاظ وحی کے غلط معنی سمجھنے کے امکان کا رسول کی نسبت غالباً کوئی بھی قایل نہیں ہے۔

(۳)

آیت تبلیغ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس"۔

(یعنی) "اے پیغمبر پہونچا دو اُس شے کو جو نازل کی گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کی رسالت کو کچھ پہونچایا ہی نہیں اور خدا لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا"۔

یہی وہ پُرزور حکم محکم ہے جس سے حضرت علی کی ولایت کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور اسی کو غالباً "ہر نام" صاحب نے لکھا ہے کہ "شیعہ علی کی امامت کے متعلق قرانی ہدایت کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں"۔۔۔ حسب ذیل روایات اہلسنت اس باب میں متفق ہیں کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں درایت علی

کی تبلیغ کے بارے میں نازل ہوئی ہے :-

ابن ابی حاتم وابن مردویہ وابن عساکر عن ابی سعید الخذری - ابن مردویہ عن ابن مسعود - ابن ابی حاتم عن عنترہ عن علی ابوبکر الشیرازی فیما نزل من القرآن فی علی عن ابن عباس - ابواسحٰق احمد بن محمد الثعلبی عن البراء بن عازب - محمد بن طلحہ - القرشی فی مطالب السئول باسناد الواحدی - عبدالرزاق الرسعنی عن ابن عباس - نظام الدین النیشاپوری فی غرائب القرآن عن ابی سعید الخذری وابن عباس والبراء بن عازب ومحمد بن علی - السید علی الہمدانی فی مودۃ القربیٰ عن ابن عباس - نورالدین ابن الصباغ المالکی فی الفصول المہمۃ باسناد الواحدی - بدرالدین العینی فی عمدۃ القاری - جمال الدین المحدث الشیرازی فی کتاب الاربعین - شہاب الدین احمد فی توضیح الدلائل - محمد بن معتمد خان البدخشی فی مفتاح النجی ...... وغیرہ

جو اشخاص اس بارے میں شک وشبہ کرتے ہیں وہ کسی خاص ایسے حکم کا پتہ نہیں دیتے جس کی تبلیغ کا اس زور وشور کے ساتھ تاکیدی حکم ہوا ہو۔ اُن میں سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ "ما انزل الیک" سے قرآن وشریعت مراد ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ابتدائے زمانۂ بعثت سے رسول کی عمر گزری تبلیغ قرآن وشریعت کرتے کرتے۔ توحید ورسالت اور معاد ایسے اصول دین سے لیکر نماز وروزہ حج وزکوٰۃ اور احکام معاملات وقصاص ودیات تک آپ نے سب کی تبلیغ کی اور کبھی نہ ہچکچائے۔ نہ پس وپیش کیا۔ نہ کسی خوف واندیشہ کے احساس سے متاثر ہوئے۔ پھر آخر اب ساری رسالت کی عمر ختم ہونے کے بعد یہ کہنے کے کیا معنی کہ اے رسول تبلیغ کرو دین وشریعت کی اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو کچھ رسالت پہونچائی ہی نہیں ؟ کیا رسول ابتک تبلیغ دین وشریعت نہ کرچکے تھے ؟ کیا آپ نے خداوندی پیغام دُنیا کو نہ پہونچائے تھے ؟ کیا آپ نے احکام الٰہی سے لوگوں کو خبردار نہ کیا تھا ؟ پھر آخر اب اس حکم کا حاصل ؟!

اور پھر تبلیغ رسالت کے معنی ہی تبلیغ دین وشریعت کے ہیں۔ اس کے بعد "ما انزل الیک" کو بھی دین وشریعت کے معنی میں لے لینا قرآن پاک کی آیت کو جسے مسلمان فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معجزہ کہتے ہیں معنی ومفہوم کے جوہر سے بے نیاز سمجھنا ہے۔

مفہوم آیت کا اس وقت یہ ہوگا کہ " اے رسول دین وشریعت کی تبلیغ کرو۔ اگر تم نے دین وشریعت کی تبلیغ نہیں کی تو تم نے دین وشریعت کی تبلیغ نہیں کی۔"

کیا یہ " دندان تو جملہ در دہان اند - چشمان تو زیر ابرو انند " کا سا صحیح نمونہ یا اس سے بڑھ چڑھ کر نہیں ہے۔

الفاظ کی یہ ترکیب صاف بتلاتی ہے کہ " ما انزل الیک " سے کوئی خاص اہم حکم مراد ہے اور اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ یہ حکم ایسا اہم حکم ہے کہ اس کی اگر تم نے تبلیغ نہیں کی تو گویا تمام دین وشریعت کی تبلیغ نہیں ہوئی۔

اس کی مثالیں روزمرہ کی زبان میں برابر آتی رہتی ہیں۔ محل تاکید میں برابر کہتے ہیں کہ "تم نے اگر یہ کام نہ کیا تو کچھ کیا ہی نہیں"۔ اب وہ خاص حکم کیا ہے؟

آیت سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ حکم ایسا ہے جس میں خطرات پائے جاتے ہیں اور انہی خطرات کا اندیشہ رسول کو ابتک اس حکم کی تبلیغ سے مانع رہا ہے اور درحقیقت رسول حکیمانہ مصالح کی بنا پر اس کے منتظر تھے کہ اس طرح کا تاکیدی حکم خدا کی جانب سے آجائے تو آپ اس اہم اعلان کی طرف اقدام فرمائیں۔

پھر وہ خطرات کیا ہیں؟

یہ بھی آیت سے ظاہر ہے کہ خطرہ کسی آفت ارضی و سماوی، کسی بلائے ناگہانی، کسی آندھی پانی کا نہیں ہے بلکہ لوگوں سے خطرہ ہے۔ لوگوں کی مخالفت سے صرف نہیں، بلکہ ضرر رسانی اور اتلاف جانی سے اور اگر ایسا نہ ہو تو "واللہ یعصمک من الناس" کے ٹکڑے کا کوئی محل نہیں۔

آیت سورۂ مائدہ کی ہے جو حجۃ الوداع میں اُترا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمام قبائل عرب اسلام لا چکے تھے اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع ہو چکے تھے۔ یہود کی شورشیں ختم ہو گئیں۔ عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ میں صلح ہو چکی۔ مشرکین قریش کی جنگجویانہ روح خندق کے بعد ختم ہو گئی اور اُنکی عداوت و عناد نے صلح حدیبیہ میں آخری سانسیں لیں جس کے بعد فتح مکہ میں اُس کی حس و حرکت بالکل باقی نہیں رہی۔

پیغمبر اسلام کی زندگی کا آخری سال اور آخری حج۔ ستر ہزار مسلمان مکہ معظمہ میں آکر رسول کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرنے میں مصروف۔ اس صورت میں یہ خوف و دہشت۔ یہ خطرہ کا احساس یہود سے ہو نہیں سکتا۔ نصاریٰ سے ہو نہیں سکتا۔ مشرکین سے ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے جو کسی قول۔ کسی روایت کسی معمولی سے معمولی اسناد کی بنا پر بھی ابتدائے اسلام کی نازل شدہ نہیں ہے بلکہ اسی موقع کی ہے جب اسلام کو انتہائی قوت حاصل ہو گئی تھی اور غیر مسلمین سے پیغمبر کو کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا۔

پھر "واللہ یعصمک من الناس" کے الفاظ کیا یہی نہیں بتلاتے ہیں کہ حکم کوئی ایسا تھا جس میں خود مسلمانوں کی جماعت سے خطرہ تھا اور انھیں کے متعلق رسول سے برگشتگی اور نقصان رسانی کا اندیشہ۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اقلیت کی مخالفت اور اکثریت کی موافقت کے ساتھ "الناس" کی تعمیم درست نہیں ہو سکتی اور نہ خطرہ کا کوئی محل ہے بلکہ "واللہ یعصمک من الناس" کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ معاملہ ایسا تھا جس میں جمہور رسول کی رائے کے خلاف تھے اور آپ کو اُس میں عام مخالفت کا خیال تھا۔

یقیناً مفسرین اُس نقطہ سے ہٹ کر جو اکثر ارباب تفسیر میں متفقہ حیثیت رکھتا ہے آیت کے ان تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی خاص تاویل تفسیر کر ہی نہیں سکتے۔

آیت اپنے تمام خصوصیات کی بنا پر صرف خلافت حضرت علیؑ کے بارے میں منطبق ہوتی ہے۔ رسولؐ کو اس معاملہ میں یقیناً عام مخالفت کا اندیشہ تھا اور خود مسلمانوں کے بارے میں آپ کو احساس تھا کہ وہ اس سے ہرگز متفق نہیں ہوں گے جیسا کہ جناب مدیر نگار نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"آپ اچھی طرح واقف تھے کہ جناب امیر کا خلیفہ بن جانا آسان نہیں ہے اور ان کے اتنے مخالف موجود ہیں کہ اس پر اصرار کرنا سخت فتنہ و فساد کا باعث ہوگا۔"

آگے چلکر آپ نے تحریر کیا ہے:۔

"یہ فطرت انسانی ہے کہ جب ایک محبوب کے متعدد چاہنے والے ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنا ہی درخور حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اُسے کسی خاص شخص سے زیادہ تعلق ہو جاتا ہے تو دوسرے دل کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ رسالتمآب جس خصوصیت کا اظہار جناب امیر سے کیا کرتے تھے، اُسے فطرتاً تمام صحابہ کے لئے باعث رشک ہونا چاہئے تھا اور غالباً حقیقت سے انکار ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ جو عزت جناب امیر کی رسول اللہ کے دل میں تھی بالکل وہی دوسروں کی نگاہ میں تھی، اس کے علاوہ حضرت علی کی طرف سے ایک عام جذبۂ ناپسندیدگی کا سبب یہ بھی تھا کہ غزوات میں سب سے زیادہ آپ ہی نے دشمنوں کو قتل کیا تھا اور شاذ ہی کوئی خاندان یا قبیلہ ایسا ہو جو متاثر نہ ہوا ہو۔ ہر چند یہ جو کچھ ہوا سب اسلامی نقطۂ نظر سے تھا اور اس میں ذاتی اغراض و مقاصد کا مطلقاً کوئی لگاؤ نہ تھا۔ لیکن اہل عرب اپنی کینہ پرور طبیعت کی وجہ سے مجبور تھے اور یہ کانٹا اُن کے دل سے کسی طرح نہ نکلتا تھا۔"

"ہر نام" صاحب نے بھی اپنے ابتدائی مضمون میں کافی شواہد اس امر کے لکھے ہیں کہ کس کس طرح صحابہ حضرت علی کے معاملہ میں رسول کے رویہ پر اعتراض و مخالفت کرتے تھے۔ نیز یہ کہ خود رسول کو صحابہ کی نسبت اس معاملہ میں کتنی بے اطمینانی تھی اور آپ اپنی فراست کی بنا پر گویا دیکھ رہے تھے کہ کس طرح صحابہ آپ کے بعد علی سے روگردانی کریں گے اور اُن کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں گے۔

اس صورت حال کی بنا پر بے شک اُصول درایت کے لحاظ سے بالکل قرین قیاس ہے یہی امر کہ حضرت رسول گو اشارۃً و صراحتہً خاص خاص موقعوں پر علی کی خلافت کا اظہار کرتے رہتے تھے لیکن آپ کو اس کے عمومی اعلان و اظہار میں خطرہ کا اندیشہ ہو اور آپ منتظر ہوں کہ خدا کی طرف سے پر زور تاکیدی حکم آئے جس کے بعد میرے لئے کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے تب میں اس کا سر انجام کروں۔

خدا نے بھی اس آیت میں اطمینان دہی کے طور پر یہ وعدہ نہیں کیا ہے اور نہ خبر دی ہے کہ تم جو کچھ تبلیغ کرو گے اُسے سب تسلیم کر لیں گے اور اختلاف نہ کریں گے بلکہ صرف یہ وعدہ کیا ہے کہ تمہاری جان کو ان کے ہاتھ سے کوئی

گزند نہ پہونچیگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حکم کے خلاف مخالفانہ شورش برپا ہوگی اور لوگ اُسکے مخالف بھی ہوں گے مگر رسول کی جان کو صدمہ نہیں پہونچے گا۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اگر آیت کا مقصود یہی تھا تو اس میں صاف صاف علیؓ کے نصب خلافت کا ذکر کیوں نہ کر دیا گیا اور نام لیکر تصریح کیوں نہ کر دی گئی؟

مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ مکلّم قرآنی کی ایک حکیمانہ روش تھی۔ اگر قرآن میں کہیں اس طرح کے مضامین کو صاف صاف نام کی تصریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہوتا تو اسوقت مسلمانوں کے قرآن بھی دُو ہوتے۔ ایک قرآن میں وہ آیتیں درج ہوتیں اور ایک میں سرے سے وہ آیتیں درج ہی نہوتیں۔ اس صورت میں جو کچھ حقیقت کا اظہار قرآنی آیات سے اس وقت ہو رہا ہے اُتنا بھی نہوتا اس لئے یہ قرآن کا ایک خاص حکیمانہ انداز تھا کہ اُس نے اپنے مقاصد کو ایک طرح کے ابہام کے پردہ میں رکھا ہے لیکن قرائن ایسے قائم کئے ہیں جن سے ایک سنجیدہ غور کرنے والا انسان حقیقت تک پہونچ سکتا ہے۔

ورنہ یہ تو یقینی ہے کہ قرآن میں خاص خاص آیتیں منافقین کے تذکرہ پر مشتمل ہیں۔ اُن کا کوئی نہ کوئی مصداق ضرور ہے مگر نام نہیں لیا گیا۔ سورۂ طلاق و تحریم میں رسول اللہ کے بعض ازواج کی نسبت خاص خاص واقعات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اُن کا بھی مصداق کوئی ہے مگر نام نہیں لیا۔

اسی طرح سیکڑوں آیات متعدد مواقع پر کثیر التعداد صحابیوں کی تنبیہ، تعریف، یا مذمت میں اُتاری گئیں اور کہیں کسی ایک کا بھی نام نہیں۔ تمام صحابۂ کرام میں صرف "زید بن حارثہ" کا نام قرآن میں لایا گیا (فلما قضی زید منھا وطرا زوجنا کہا) لیکن زید کی ہستی کسی حیثیت سے مسلمانوں میں محل اختلاف تھی ہی نہیں کیونکہ زید کی شہادت حیات رسول اللہ میں ہی ہوگئی اور اس مسئلہ کو بھی مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلافی درجہ حاصل نہ تھا۔ لیکن اس کے علاوہ کسی ایک جگہ بھی کسی کا نام موجود نہیں ہے۔

اس کی وجہ سے یہ تو کہا ہی نہیں جا سکتا کہ یہ تمام آیات فرضی و تمثیلی افسانوں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا مصداق کوئی اُس زمانہ میں تھا ہی نہیں بلکہ حقیقۃً مصداق ہر ایک کا معین تھا مگر قرآن کی "وحی متلو" میں اُس کا نام نہیں ہے۔

اس کے سوا بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ نام تھے اور وہ حذف کر دئے گئے مگر میں اس کا قایل نہیں ہوں میں اس کو جیسا کہ میں نے کہا قرآن کی ایک حکیمانہ کارروائی سمجھتا ہوں جس میں مفاد اسلامی کا پہلو مضمر تھا۔

بعض روایات میں بعض صحابہ کے قرآن میں جو کہیں کہیں بعض ناموں کا تصریح اضافہ ہونا مذکور ہے اُسے میں "تفسیری نوٹ" کی حیثیت سے قرار دیتا ہوں جس سے تعین مراد میں مدد ضرور ملسکتی ہے۔ چنانچہ

زیر بحث آیت کے متعلق بھی یہ روایت موجود ہے کہ ابن مسعودؓ اس آیت کو بایں الفاظ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت رسول کے زمانہ میں وہ یونہی پڑھی جاتی تھی کہ:-

"یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (انّ علیاً مولی المومنین) وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ"

(درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸)

اس سب کے بعد جہاں تک روایت و درایت کا تعلق ہے میں تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں پاتا کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی خلافت ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کے بعد خدا کی ہدایت اس باب میں صراحتہً ظاہر ہے۔

(۴)

حدیث غدیر— جس کے متعلق جناب نیاز صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ "یہ شیعوں کے پاس ولایت جناب امیر کی سب سے بڑی شہادت ہے۔"

اس واقعہ کی تفصیل ہر تمام صاحب نے اپنے مضمون میں لکھی ہے۔ نیز جناب مدیر نگار نے بھی اپنے محاکمہ میں اُس کی تکرار کی ہے۔ یہ حضرت رسول کا وہ صاف کھلا ہوا تاریخی اعلان ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجایش ہی نہیں اور اس میں آپ نے یہ ارشاد کیا ہے کہ:-

"خدا میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں اور اس کے بعد جس کا میں مولا ہوں علی بھی اُسکا مولیٰ ہے۔"

خود الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس اعلان میں مذہبی شان پائی جاتی ہے۔ یہ کوئی سیاسی مشورہ نہیں ہے نہ ذاتی اظہار خیال ہے۔ بلکہ بحیثیت رسول، بحیثیت پیغمبر آپ اپنے بعد کے لئے اعلان کر رہے ہیں۔

بعض لوگ حدیث کے معنی میں کلام کرتے ہیں اور اس لئے کہتے ہیں کہ "نص" نہیں ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نص ہوتا تو اُس کے اور کیا الفاظ ہو سکتے تھے؟

اس کے پہلے "وزیر" کہہ چکے۔ "وصی" کہہ چکے۔ "خلیفہ" کہہ چکے۔ "ولی" کہہ چکے۔ اب کہتے ہیں کہ "خدا میرا مولا ہے اور میں تمھارا مولا ہوں۔ اب جس کا میں مولا ہوں اُس کے علی بھی مولا ہیں۔"

اس سے کیا پتہ نہیں چلتا کہ علی کا مولا ہونا اُسی طرح حاکم و متصرف ہونے کی شان سے ہے جس طرح خدا کا اور رسول کا ہے۔ مگر تاویل کی دُنیا تنگ نہیں ہے۔ طے ہے کہ ہر معاملہ میں رسول روزمرہ کی زبان میں بات چیت کرتے ہیں اور وہی معنی سمجھ لئے جاتے ہیں جو عام محاورہ کے مطابق اُس لفظ کے ہیں۔ مگر اس معاملۂ خاص میں دربارۂ علی بن ابیطالب جو کچھ رسول کی زبان سے نکلے اُس کو دوسرے معنی پہنائے جائیں۔ "خلیفہ" کہا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے اہل و متعلقین میں وہ اُن کی جگہ پر ہیں اور "وزیر" کہا تو

اس کے یہ معنی ہیں کہ زندگی بھر وہ آپ کی کمر کو مضبوط رکھنے والے اور "وصی" کہا تو صرف آپ کے قرضوں کے ادا کرنے کے لئے اور "ولی" کہا تو بمعنی دوست اور "مولیٰ" کہا تو وہ "ناصر" کے معنی میں۔

اس طرح یقیناً ایک متکلم گنگ ہو جائے گا۔ الفاظ کا دفتر ختم ہو جائے گا اور اُس کے مافی الضمیر معنی کسی کے ذہن نشین نہ ہونگے۔ آج کل دُنیا "درایت" "درایت" پکارتی ہے اور یہاں پر عقل سے کام نہیں لیتی کہ حضرت رسول اپنا سفر قطع کرتے ہیں، ہزاروں آدمیوں کو چٹیل بیابان میں، خاص تمازت آفتاب کے وقت مجتمع کرتے ہیں۔ منبر پر جاتے ہیں۔ پرزور الفاظ میں تمہید قایم کرتے ہیں۔ اپنی وفات کی خبر دیتے ہیں۔ لوگوں سے اپنی ہر طرح کی سرداری، حکومت، لوگوں کے نفس پر کامل سلطنت کا اقرار لیتے ہیں اور اس کے بعد کہتے کیا ہیں؟ یہ کہ جس کا میں "دوست" ہوں اُس کے علی بھی "دوست" ہیں۔ یا۔ جس کا میں "مددگار" ہوں اُس کے علی بھی "مددگار" ہیں۔ آخر یہ کونسی ایسی بات تھی جو لوگوں کی طبیعتوں پر بار ہو۔ جس کے لئے اپنے اختیارات جتلانے کی ضرورت ہو اور اپنی حکومت کے اقرار لینے کی حاجت ہو؟ اس تمام کارروائی کا حاصل کیا ہوا؟ اور یہ کونسی ایسی بات تھی جس کا اس شد ومد، زور وشور کے ساتھ اعلان ہو؟ پھر یہ کونسا ایسا امر تھا جس پر حضرت عمر بڑھیں اور جناب امیر کو مُبارکباد دیں کہ:۔ "هنيئاً لك اصبحت مولیٰ کل مؤمن ومؤمنة"۔ (یعنی) "مبارک ہو آپ کو کہ ہر مومن ومومنہ کے مولا قرار پا گئے"۔ یہ مبارکباد کاہے کی ہے؟ اس کی ہے کہ آپ آج ہر مومن ومومنہ کے مددگار بن گئے؟!

کہا جاتا ہے کہ مولیٰ کے معنی حاکم ومتصرف کے ہیں ہی نہیں۔ مگر نہیں ہیں وہیں تک کہ جہاں تک غدیر خم کے واقعہ کا تعلق ہے لیکن ادھر یہ موقعہ دل سے اُترا اور کسی دوسری جگہ مولیٰ کی لفظ آئی۔ پھر اُس کے معنی مالک متصرف، حاکم وغیرہ کے قرار پا جائیں گے۔

ملاحظہ ہو تفسیر سراج منیر خطیب شربینی (مطبوعہ مصر ج اص ۴۰۹) سورۂ انعام:۔

"ثم ردّوا ای الخلق الی الله ای الیٰ حکمه وجزائه مولاهم ای سیدهم ومدبّر امورهم کلها الحق ای الثابت الولایة وکل ولایة غیره تعالیٰ عدم"۔

(یعنی) قرآن مجید کی اس آیت میں کہ "ثم ردّوا الی الله مولاهم الحق" مولا کے معنی ہیں سیّد وآقا اور امور کا منتظم۔ حق کے یہ معنی ہیں کہ درحقیقت حکومت اُسی کی برقرار ہے اور اُس کے سوا ہر ایک کی حکومت کالعدم ہے"

سورۂ یونس کی آیت:۔ "وردّوا الی الله مولاهم الحق" میں بھی لکھا ہے:۔

"مولاهم ای ربّهم ومتولّی امورهم علی الحقیقة"۔ (یعنی) مولا کے معنی ہیں مالک اور اُنکے اُمور کا حقیقی منتظم"۔

(سراج منیر جلد ۲ صفحہ ۱۶)

تفسیر بیضاوی میں بھی سورۂ یونس اور انعام دونوں جگہ اس کی تصریح ہے۔

تاج العروس شرح قاموس مصنفہ سید مرتضیٰ زبیدی (مطبوعۂ مصر جلد ا صفحہ ۳۹۹) میں ہے:۔

"المولیٰ ایضاً الولیّ الّذی یلی علیک امرک وہما بمعنی واحد ومنہ الحدیث ایّما امرأۃ نکحت بغیر اذن مولٰہا ورواہ بعضہم بغیر اذن ولیہا وروی ابن سلام عن یونس المولیٰ فی الدّین ہو الولیّ وذالک قولہ تعالےٰ ذٰلک بانّ اللّٰہ مولی الّذین آمنوا وان الکافرین لامولیٰ لہم ای لاولیّ لہم ومنہ الحدیث من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ ای من کنت ولیہ۔"

اس عبارت میں صاف تصریح موجود ہے کہ مولا کے معنی صاحب اختیار اور حاکم کے ہیں اور یہ کہ مولیٰ اور ولی دونوں مترادف حیثیت رکھتے ہیں۔

اگر واقعات کا مطالعہ کرنے والا بے لوث نگاہ رکھتا ہو تو وہ صاف سمجھے گا کہ رسول نے حضرت علی کی خلافت، حکومت وجانشینی کا اعلان کیا اور لوگوں نے بھی اُسوقت یہی سمجھا اور اسی لئے حضرت علی کو مبارکبادیں دیں۔

ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث کو شیعہ اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کرتے ہیں اور پیش کرنا درست بھی ہے جیسے حدیث منزلت جس میں حضرت رسول نے جناب امیر کو مخاطب کرکے ارشاد کیا ہے:۔

"کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں ہے"

یہ حدیث آپ نے اُس وقت ارشاد فرمائی ہے جب غزوۂ تبوک میں رسول اللہ نے اپنے ساتھ تمام صحابہ کو چلنے کا حکم دیا تو حضرت علی کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ مدینہ ہی قیام کریں۔

اگر آخر کا فقرہ "الّا انّہ لانبیّ بعدی" نہوتا تو شاید کہا جاسکتا تھا کہ منزلت ہارونی کا تعلق صرف اُتنے زمانہ سے تھا جب آنحضرتؐ تشریف لئے جارہے تھے مگر اس جملہ نے آکر اپنے قبل میں تعمیم کا پتہ دیا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ہارون موسیٰ کے جانشین اور نائب اور شریک کار تھے۔ بے شک اگر نبوت کا سلسلہ رسول کے بعد قطع نہ ہوتا تو نبوت بھی جناب امیر کے لئے ثابت ہوتی لیکن چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہوگیا اس لئے خلافت وجانشینی بشکل امامت آپ کے لئے ثابت رہے گی۔

حدیث ثقلین جس کو خصوصیت کے ساتھ آنحضرتؐ نے علی بن ابیطالب کے اعلان ولایت کے موقع پر بھی بیان فرمایا اور اس کے بعد اپنے مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بعد بھی ارشاد کیا۔ اس میں تمام اُمت کو جن میں اُسوقت تو صحابۂ کرام ہی تھے اور تمام اکابر داخل تھے اہلبیت کے ساتھ تمسک کا

حکم دیا اور یہ کہ ان کا دامن چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُمت نے اس کے اوپر عمل کس طرح کیا اور اس پر عمل کی صورت کیا تھی جبکہ مذہبی اور سیاسی دونوں طرح کی پیشوائی خلفائے وقت کے لئے حاصل تھی جس کے بعد اہلبیت کی حیثیت ایک معمولی اُمتی سے زیادہ نہ رہی تھی اور کوئی امتیاز خصوصی اُن کے لئے ہرگز حاصل نہ تھا۔

یہ احادیث بے شک "وحی متلو" کی حیثیت نہیں رکھتے۔ یعنے حدیث اور قرآن میں امتیاز ضرور ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ قرآن کا تعلق فرمان خداوندی سے ہے اور دوسرے کا رسول اللہ کی ذاتی رائے سے۔ احادیث رسول بھی اکثر بر بنائے وحی ہوتے تھے لیکن خود وحی میں یہ تفرقہ ہے کہ وہ کبھی "وحی متلو" کی حیثیت رکھتی تھی جس کو کہتے ہیں "قرآن" اور کبھی "وحی غیر متلو" جس کی مظہر ہے حدیث۔ اس لئے اکثر مسائل مذہبی یعنے روزہ اور نماز وغیرہ ایسے خالص عبادات کے احکام بھی احادیث سے ثابت ہوئے ہیں حالانکہ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے خود مدیر نگار بھی قایل ہیں کہ رسول کے احکام تمام بر بنائے وحی ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ حدیث ثقلین کے بیان فرمانے میں غدیر خم والے خطبہ میں خود آنحضرت صلعم نے صاف صاف اس کو خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے:۔

ارشاد ہوتا ہے:۔ "قد نبأنی اللطیف الخبیر انھما لن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض"

(یعنی) مجھ کو خدائے تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں (قرآن اور اہلبیت) ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا اعلان اہلبیت کے بارے میں صرف اپنی ذاتی رائے سے نہ تھا بلکہ وحی خداوندی کی بنا پر تھا جس کے بعد شک و شبہ کی گنجایش نہیں رہتی۔

چوتھا سوال

مسئلۂ خلافت کو اصل مذہب اسلام سے کیا تعلق ہے؟

میرے خیال میں وہی تعلق جو ایک اہم مذہبی حکم کو کسی مذہب کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ جناب مدیر نگار کی رائے یہ ہے کہ:۔

"اس کو مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ اصولاً ہونا چاہئے بلکہ اس کا تعلق صرف سیاسیات سے تھا۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کلام مجید اس مسئلہ میں ساکت ہے یعنی رسول اللہ کو وحی کے ذریعہ سے کوئی ہدایت اس باب میں نہیں کی گئی اور اگر اس کو واقعی کوئی مذہبی اہمیت حاصل ہوتی تو یقیناً وحی کے ذریعہ سے اس کا فیصلہ کیا جاتا — اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ ان کے بعد جناب امیر خلیفہ قرار دئے جائیں — لیکن — اس نامزدگی کی حیثیت صرف ایک ذاتی رائے کی سی تھی جس کو وحی سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یوں تو بار بار رسول اللہ نے جناب امیر کو ولی، مولیٰ، وصی وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا لیکن جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اس باب میں خاموشی اختیار کر لی۔ — اگر رسول اللہ کی یہ خواہش کسی وحی الہی کا نتیجہ ہوتی تو آپ بلا پس و پیش نہایت صاف الفاظ میں سکا اظہار کر جاتے اور وہ الفاظ کلام مجید میں بھی ہوتے — اگر حضرات شیعہ کے قول کو صحیح باور کیا جائے تو ہم کو حسب ذیل باتیں معارض نظر آتی ہیں:-

۱ — اگر خلافت جناب امیر کے متعلق کوئی نص قطعی موجود ہوتی تو اسے کلام مجید میں ہونا چاہئے تھا حالانکہ نہیں ہے۔

۲ — اگر واقعی فرمان خداوندی ایسا ہی ہوتا جیسا کہ حضرات شیعہ سمجھتے ہیں تو علاوہ اس کے کہ دیگر احکام کی طرح نہایت صاف و واضح الفاظ میں اس کا ذکر کلام مجید میں ہوتا، رسول اللہ خود اپنے سامنے ہی حضرت علی کی باقاعدہ خلافت سب لوگوں سے تسلیم کرا کے رخصت ہوتے، حالانکہ یہ بھی تاریخ سے ثابت نہیں۔

۳ — اگر یہ کوئی خالص مذہبی مسئلہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ حضرت علی خود اس سے واقف ہوتے اور چونکہ وہ احکام مذہبی کے نہایت سخت پابند تھے اس لئے وہ باوجود تمام مخالفتوں کے اپنی خلافت کی کوشش ضرور کرتے، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر لی تو آپ خاموش ہو رہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ آپ نے خود حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، لیکن آپ کا اس بیعت کو گوارا کر لینا اسی سے ظاہر ہے کہ آپ صحابہ کے تمام مشوروں میں شریک ہوتے تھے، اور اکثر آپ کی رائے پر عمل بھی کیا جاتا۔ اگر حضرت علی حضرت ابوبکر کو غاصب خلیفہ سمجھتے یا ان کی خلافت آپ کے نزدیک خلافت غشار خداوندی ہوتی تو کم از کم آپ یہ ضرور کرتے کہ اُن سے ہمیشہ کے لئے کٹ کر علٰحدہ ہو جاتے اور مراسم موالات ترک کر دیتے، اگر جنگ کرنا مناسب نہ تھا — اگر یہ تمام زمانہ واقعی غاصبانہ دور خلافت کا تھا

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ایسا مبغوض عہد تھا جس سے نہ خدا خوش ہو سکتا تھا نہ اُس کا رسول۔
لیکن حیرت ہے کہ جناب امیر نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اس غیر اسلامی زمانہ کا ساتھ دینے میں بسر کر دیا اور انھوں نے نہ کبھی صدائے احتجاج بلند کی اور نہ منشاء خدا اور رسول کو پورا کرنے کی کوشش کی ۔۔۔ حضرت علی کا خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں حد درجہ امن پسندانہ زندگی بسر کرنا اور سب کے ساتھ صلاح و مشورہ میں شریک ہونا سوائے اس کے اور کسی سبب کی بنا پر نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ مسئلہ خلافت کو خالص مذہبی مسئلہ نہ سمجھتے تھے بلکہ اس کو سیاسی معاملہ جانکر واقعات و حالات کے لحاظ سے اپنی خلافت پر زور دینا یا اس کے لئے کوشش کرنا مناسب خیال نہ فرماتے تھے"

مذکورہ عبارت میں جس شد و مد کے ساتھ اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ مسئلہ خلافت کوئی مذہبی مسئلہ نہ تھا وہ ناظرین کے پیش نظر ہے۔ اس کے سامنے ایک کاتب کے قلم میں بڑی طاقت کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کر سکے۔

آفریں ہے جناب "ہر نام" صاحب کو کہ اُنھوں نے باوجود اجنبیت اور اظہار عجز و اعتراف قصور کے اپنے آخری مضمون میں اس بحث کے اکثر پہلوؤں کو اتنی خوبصورتی سے روشن کیا ہے جس کے بعد کچھ لکھنے کی گنجایش نہیں۔

اُنھوں نے کہا ہے کہ خلافت کا تعلق مذہب سے اُسی وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اُسے صرف سیاسیات کے شعبہ سے متعلق رکھا جائے لیکن اگر خلافت کی حیثیت اس سے مختلف ہے، اسی بنا پر مسلمانوں کی جانب سے اُس کی تعریف کی جاتی ہے یہ کہ:- "وھی النیابۃ عن النبی فی امور الدین والدنیا" تو اُس کا تعلق مذہب سے ظاہر ہے۔

اُنھوں نے واقعات کی بنا پر یہ بھی دکھلایا ہے کہ پیغمبر نے اس کو بطور ایک سیاسی مسئلہ کے پیش نہیں کیا تھا بلکہ معیار نجات بتایا تھا اور اُس پر آخرت کی باز پرس کا حوالہ بھی دیا تھا جس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا تعلق مذہب سے ہے اور خالص سیاسی مسئلہ نہیں ہے۔ جناب "ہر نام" کا مذکورۂ بالا استدلال یقینی بہت مضبوط ہے جس سے اُن کی نکتہ رسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ کہنا کہ "کلام مجید اس مسئلہ میں ساکت ہے" اُسی وقت تک حق بجانب قرار پا سکتا ہے جب تک حقیقت پر اطلاع نہیں، لیکن گزشتہ سوال کے جواب میں ہمارے بیانات نے یہ امر بالکل صاف کر دیا ہے کہ کلام مجید اس مسئلہ میں ساکت نہیں ہے اور یہ کہ رسول اللہ کی تبلیغ اس باب میں وحی الٰہی اور ہدایت خداوندی پر مبنی تھی۔ اگر رسول اللہ کی نامزدگی کی حیثیت صرف ایک ذاتی رائے کی حیثیت رکھتی تو آپ کو صاف صاف اُس کا

اظہار کرنا چاہئے تھا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ آپ کو یہ ہرگز روا نہیں تھا کہ بطور حکم مذہبی اُس کا اعلان کریں اور اُسے نجات و فلاح اُخروی کا معیار قرار دیں کیونکہ ایک نبی سے اگر خطاء اجتہادی ممکن بھی ہو تو بھی یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک غیر مذہبی چیز کو مذہبی لباس میں پیش کرے کیونکہ یہ ایک بدترین فریب دہی اور تلبیس ہے جس کا ایک دیانتدار آدمی کبھی مرتکب نہیں ہو سکتا۔

یہ کہنا کہ "جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اس باب میں خاموشی اختیار کر لی" یہ بھی واقعہ کے خلاف ہے جس کے متعلق ہر تمام صاحب اپنے مضمون میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرقۂ شیعہ کے قول کے لئے جو باتیں بطور معارض پیش کی گئی ہیں اُن میں سے کوئی بھی درست نہیں ہے۔

خلافت جناب امیر کا اعلان بربنائے وحی تھا اور وہ وحی قرآن میں بھی موجود ہے اور رسول نے بھی اُس کا اظہار کیا اور عام مجمع کے سامنے اعلان کیا۔ روایت میں یہ موجود ہے کہ آپ نے سب سے اقرار لیا کہ کیا میں تم سب کا مولا نہیں ہوں؟! جب سب نے اقرار کیا تب آپ نے یہ کہا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی بھی مولا ہے۔

اس سے بڑھ کر اعلان کرنے اور اقرار لینے کی کیا صورت ہو سکتی تھی جبکہ قرآن نے رسول کے فرائض کو بھی اس سے زیادہ نہیں بتلایا ہے۔ ارشاد کیا ہے:۔ "وما علیک الّا البلاغ" نیز یہ بھی کہا ہے کہ رسول کا کام جبر کرنا نہیں ہے۔ "وما انت علیھم بمصیطر"۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: "انت تکرہ النّاس حتّٰی یکونوا مؤمنین"

اس اصول کے مطابق یہاں رسول پر فرض یہی عاید کیا گیا تھا کہ وہ تبلیغ کر دیں (یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک) چنانچہ اُنھوں نے تبلیغ کر دی اور اتنے غیر معمولی اور اہم طریقہ سے کسی حکم کی اس سے پہلے تبلیغ نہیں کی تھی۔ پھر اب اس کے بعد رسول کیا کرتے اور کس طرح لوگوں سے تسلیم کراتے۔

حضرت علی ضرور واقف تھے کہ یہ مذہبی مسئلہ ہے لیکن ہر مذہبی حکم کے اجراء کے لئے ہر حال میں خونریزی اور مسلمانوں کا قتل عام تو روا نہیں ہے۔ آپ فضا سے خوب واقف تھے۔ آپ جانتے تھے کہ اسوقت ہوا کا رُخ کدھر ہے اور سیلاب کا بہاؤ کس طرف؟ آپ کو معلوم تھا کہ اسوقت اس حق کا حصول اور اس فرض مذہبی کا قیام بغیر عظیم کشت و خون کے نہیں ہو سکتا اور اس طرح کا ہنگامہ پیدا ہو جانا اسوقت اصل اسلام ہی کے لئے سبب فنا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایک مذہبی مسئلہ کے متعلق رہنمائی کا فرض کس طرح پورا ہوتا ہے؟ صرف تبلیغ و تلقین سے جس کی تمام منزلوں کو پیغمبر خود طے کر چکے تھے جس سے اتمام حجت پورے طور پر ہو چکی تھی۔

آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں خود حضرت رسول کے زمانہ میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی جن کے دلوں میں روح اسلامی جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ جو ذرا سی بات پر پیچھے پلٹ جانے پر طیار رہتے تھے جو رسول پر احسان جتاتے تھے کہ ہم آپ پر اسلام لائے۔ جن نگاہوں میں احکام مذہبی کی وقعت اتنی سبک تھی کہ رسول کے پیچھے سے نمازیں توڑ کے باجا دیکھنے چلے جاتے تھے اور رسول کو اکیلا چھوڑ دیتے تھے۔ جو کفار و مشرکین کو خبر رسانی کرتے تھے۔ جو سامنے آ کر کہتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور پیٹھ پیچھے مذاق اڑاتے تھے اور تمسخر کرتے تھے۔ جو رسول کی طرف گمراہی کی نسبت دیتے تھے۔ جو آپ کی باتوں پر اعتراض کرتے تھے۔ اور نبوت میں شک کرتے تھے۔ لیکن آنحضرت نے ان تمام باتوں کو انگیز کیا۔ ان لوگوں پر کبھی تشدد نہیں کیا۔ ان کو اپنی جماعت سے باہر نہیں نکالا۔ ان پر کبھی تلوار نہیں چلائی بلکہ اُن کے رازہائے درون پردہ کو نام لیکر اپنی جانب سے ظاہر بھی نہیں کیا صرف اس لئے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتے ہیں تو یہی سہی۔ ظاہری اسلام کے نام لیوا ہیں یہی سہی۔ قومیت اسلامی کی تشکیل ہوگی تو اُن میں کھرے افراد پیدا ہو ہی جائیں گے۔

یقیناً اگر حضرت علی اپنے پیش رو کے حقیقی جانشین تھے تو اُن کو اُسی تعلیم کو پیش نظر رکھنا ضروری تھا اور اگر آپ ایسا نہ کرتے تو آپ کی خلافت حقیقی کی صحیح شان ہی باقی نہ رہتی۔

بے شک جس طرح رسول کا فرض تھا کہ وہ غلطیوں پر ٹوکتے رہیں۔ لغزشوں پر تنبہ کریں۔ کجرویوں کا اظہار کرتے رہیں اور حقیقت کا انکشاف کرتے رہیں اور بس۔ اُسی طرح حضرت علی کا بھی فرض تھا کہ وہ اختیار کردہ رویّہ سے اپنی ناراضگی نیز اُس طرز عمل کی غلطی کا اظہار کر دیں چنانچہ آپ نے ایسا کیا۔

اگر شیعوں کی روایت کو نہ بھی مانا جائے کہ حضرت علی نے بالکل حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تب بھی اتنا تو بر بنائے روایت امام بخاری مسلّم ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کی زندگی تک قطعی بیعت نہیں کی اس لئے کہ اُسوقت تک آپ کی کچھ نہ کچھ وجاہت مسلمانوں میں سمجھی جاتی تھی لیکن جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہوگیا تو لوگ آپ سے بالکل روگرداں ہوگئے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کی اُس بیٹی نے جس کو حضرت "سیدۃ نساء العالمین" فرما گئے تھے اور "بضعۃ منّی" کے لفظ سے یاد کر گئے تھے اُس نے مرتے مرتے تک اس بیعت کو تسلیم نہیں کیا اور حضرت علی نے بھی اپنی ناراضگی کا ثبوت پیش کیا۔

بقول بعض اہل تحقیق حقیقت یہیں سے منکشف ہو جاتی ہے اس لئے کہ مسلمانوں کی متفقہ حدیث ہے: "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ" (یعنی) جو شخص مرجائے اور اپنے امام زمانہ کے ساتھ معرفت و عقیدت نہ حاصل کرے اُس کی موت جاہلیت کی موت ہے"۔ اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے

اپنے رسول کی مقدس بیٹی سیدۃ النساء العالمین کی موت کے بارے میں جو بغیر خلیفہ وقت کی اطاعت کے حاصل ہوئی۔

اگر سیدۂ عالم کی ذات کو اس حدیث کی زد سے الگ کرنا ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ خلافت مذہبی حیثیت سے درست نہ تھی۔ اسی طرح حضرت علی کا صرف ایک دن کا توقف بھی قبول بیعت میں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ اس کو صحیح خلافت نہ سمجھتے تھے اس لئے کہ موت کے اندیشہ سے کوئی بشر کسی وقت خالی نہیں ہے اور ایک امام جائز کی اطاعت سے انحراف کی صورت میں موت بہر حال موت جاہلیت ہوتی ہے۔ رہ گیا حضرت علی کا ان حضرات کے مشوروں میں شریک ہونا۔ اُن کو صحیح رائے بتلانا اور اُن کی موقع بموقع رہنمائی کرنا۔ یہی تو درحقیقت دلیل ہے حضرت علی کی اُس طہارت ضمیر اور ہمدردی اسلامی کی جو آپ کو حقیقی جانشین رسول و محافظ اسلام کہنے پر مجبور کرتی ہے۔

جبکہ حالات کی بنا پر رسول کے اُس حکم سے انحراف ہو گیا جو آپ نے خلافت علی کے اعلان کی صورت میں دیا تھا اور لوگوں نے اس فرض کی انجام دہی سے عدول کیا تو اب اگر کوئی خود غرض، پست طبیعت اور چھوٹے نفس کا انسان ہوتا تو اس کے بعد وہ بد دل ہو کر اسلام و مسلمین کی خدمت سے بالکل جدا اور بقول مدیر نگار کٹ کر ہمیشہ کے لئے علٰحدہ ہو جاتا۔ لیکن اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا کہ اس شخص کے قدیم خدمات اور اسلام کے ساتھ ہمدردیاں صرف حصول خلافت کی امیدیں تھیں۔

نیز اگر مسلمانوں نے کسی ایک حکم مذہبی کی مخالفت کی تو اس کا یہ اثر تو نہیں ہونا چاہئے کہ اب اسلام کے دوسرے احکام کو بھی بدلجانے دیا جائے یا خود مذہب اسلام کے صدمات کو گوارا کر لیا جائے۔

حضرت علی کے مشورے ہمیشہ یہی دو نوعیتیں رکھتے تھے۔ ایک جب کبھی کوئی مسئلہ شرعی پیش ہوا اور دربار خلافت سے حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ ہونے لگا اُسوقت موقع ملا تو علی نے اصلاح کی اور دوسرے یہ کہ مفاد اسلامی کو کسی جنگ یا دوسری طرح کی دشواری میں نقصان پہونچنے کا اندیشہ پیدا ہوا تو آپ نے صحیح مشورہ دیا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حفاظت اسلام اور صیانت مذہب کی ذمہ داریاں آپ کے ساتھ وابستہ تھیں جنھیں آپ کسی نہ کسی طرح انجام دیتے تھے اور یہی وہ حقیقی خلافت وامامت ہے جو ان کے لئے محفوظ تھی اور جس کے فرایض وہ کسی نہ کسی پردہ میں ادا ضرور کرتے تھے اگرچہ ظاہری خلافت یعنی مسند حکومت پر دوسرے افراد نے قبضہ بھی کر لیا ہو۔

حضرت رسول کا سلوک منافقین کے ساتھ اور اُن لوگوں کے ساتھ جو اکثر آپ کی عدول حکمی کرتے

رہتے تھے صاف اسی رویہ کا مظہر ہے۔

آپ نے باوجود اُن کے مخالفانہ حالات کے کبھی اُن سے ترک موالات نہیں کیا اور ہمیشہ اصلاح کی کوشش فرماتے رہے۔ اُسی طرح جانشین رسول حضرت علی۔

اس میں کیا کوئی شبہ ہے کہ منافقین کی زندگی کا تمام دور مبغوض آلہی ہے جس سے نہ خدا خوش ہو سکتا ہے نہ اُس کا رسول پھر کیا حیرت کا اظہار کیا جا سکتا ہے اس امر پر کہ حضرت رسول نے اپنی عمر کا کثیر حصہ ان غیر اسلامی افراد کے ساتھ بسر کیا۔

یقیناً اگر رسول کا منافقین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا اور اسلامی سلوک کرنا اُن کے نفاق کی تائید نہیں ہے جبکہ آیات قرآنی اُن کو اُن کے نفاق پر متنبہ کرتی رہتی تھیں تو اسی طرح حضرت علی کا تعلقات معاشرت قائم رکھنا اُن لوگوں کے ساتھ جنھوں نے مسئلہ خلافت میں رسول کی مخالفت کی اُن کے اس اقدام کی تائید نہیں قرار پا سکتی۔ جبکہ آپ نے اُس پر احتجاج کیا اور اظہار اختلاف کر دیا۔ اور جس طرح اُن کے ساتھ حُسن سلوک اور نیک برتاؤ اُن کو آخرت میں رستگار و نیکو کردار بنانے کا ضامن نہیں ہے اُسی طرح ان اشخاص کے ساتھ حضرت علی کا یہ حسن سلوک اُن کے نجات اخروی اور نیکو کرداری کا ہرگز ثبوت نہیں ہے۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس دور میں اصل خلافت اسلامی کے معاملہ میں کتنا ہی حکم خداوندی سے کنارہ کشی کی گئی ہو مگر دوسرے معاملات میں اپنے حدود علمی کے اندر بہت حد تک ظواہر اسلامی محفوظ رکھے جاتے تھے اور پابندی شریعت کا اظہار کیا جاتا تھا یعنے شریعت اسلام اور احکام خداوندی کے ساتھ کھُلّم کھُلا بغاوت کا اعلان نہیں تھا محرمات و کبائر کی تلقین نہیں تھی بلکہ اُن کے اوپر حدود کا اجراء کیا جاتا تھا اور بغیر کسی تاویل و توجیہ کے اس سے اغماض نہیں برتا جاتا تھا۔ اس وجہ سے حقیقت اسلام کو کتنا ہی صدمہ پہونچا ہو لیکن بہر حال اسلام کی ظاہری صورت محفوظ تھی اور چونکہ اُس وقت تلوار اُٹھانے کی صورت میں یقیناً اسلام کی عمر ختم ہی ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے علی ایسے محافظ اسلام نے تلوار نیام میں رکھی اور پچیس ۲۵ برس کی طویل مدت اپنے حقوق کی پامالی اپنی آنکھوں سے دیکھنے میں گزار دی اور خاموش فضا میں ذرا بھی سنسنی پیدا نہیں کی۔

نفسیاتی حیثیت سے دیکھنے کے قابل ہے یہ بات کہ ایک بہادر اور شیر دل انسان جس کی عمر بچپنے سے لیکر جوانی اور بھرپور جوانی تک برابر میدان جنگ میں گزری، جس کی تلوار سے برابر خون ٹپکتا رہا اور جس نے سیکڑوں آدمیوں کو موت کی نیند سُلا دیا۔ اسی کے ساتھ جس نے کبھی شکست نہیں کھائی بلکہ ہمیشہ فتح پائی۔ وہ ایک مرتبہ پچیس ۲۵ برس تک اتنا خاموشی پسند ہو جاتا ہے کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک اُس کی جانب سے عمل میں نہیں آتی اور کسی جنگجویانہ رویہ کا اظہار اُس کی طرف سے نہیں ہوتا۔

کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ علی ایک جذباتی انسان نہیں تھے۔ انھوں نے خون کے دریا بہا دئے مگر جوش غیظ و غضب کی بنا پر نہیں بلکہ فرض کا احساس کر کے اور سکوت اختیار کیا تو کمزوری سے نہیں بلکہ مصلحت کا احساس کر کے۔ انھوں نے یہ دیکھا کہ وہ ہی اسلام جس کی حفاظت اُسوقت تلوار کھینچکر کیجا رہی تھی اُسی کی حفاظت اس وقت تلوار کو نیام میں رکھنے پر موقوف ہے۔ اس لئے آپ نے اسلام کی موجودہ ظاہری صورت کی بقا کو غنیمت سمجھا اور فوج کشی و شمشیر زنی سے پرہیز کیا۔

بے شک جب یہ خلافت بنو اُمیہ تک پہونچی اب اسلام کے ظاہری شعائر بھی مٹائے جا رہے تھے۔ اب احکام مذہبی کے مقابلہ میں کھلم کھلا مخالفت ہو رہی تھی۔ اب شریعت کے مقابلہ میں صاف بغاوت کا اعلان تھا اس لئے اُنھی علی کے فرزند حسین نے کربلا کے معرکہ کو برپا کر کے دنیا کو دکھلا دیا کہ اُسی اسلام کی حفاظت کیلئے جس طرح ایک وقت میں فاتحانہ شان سے جنگ کی جاسکتی ہے۔ جس طرح ایک وقت میں مظلومانہ شان سے سکوت کیا جاسکتا ہے۔ اُسی طرح ایک وقت میں مقہورانہ اور بیکسانہ شان سے قتل بھی ہوا جاسکتا ہے۔

البتہ حضرت علی نے ابتدائی دور میں جنگ مناسب نہیں سمجھی لیکن آپ نے اپنے حق خلافت کے اظہار سے بھی کبھی چشم پوشی نہیں کی۔ نیز کسی دوسرے کے انعقاد خلافت کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لی یہاں تک کہ تیسرے دور میں جب مجلس شوریٰ کے اندر آپ کو بھی ایک رکن قرار دیا تو آپ نے خاموشی کے ساتھ ووٹ بحق حضرت عثمان نہیں دیا بلکہ پورے شد و مد کے ساتھ اپنے حق خلافت کو مرجح ثابت کیا اور وہ تاریخی خطبہ پڑھا جو دنیائے تاریخ میں یادگار رہیگا، جس میں تمام احادیث فضائل کو بھی ایک ایک کر کے پیش کیا ہے اور غدیر نیز دوسرے موقعوں کے صریحی اعلانات کا بھی تذکرہ کیا ہے اور جب جناب عبدالرحمن بن عوف نے یہ سیاسی چال چلی کہ جو شخص اپنے تئیں خلافت سے علحدہ کر لے وہ حکم ہو جائے تو حضرت علی نے فیصلہ اپنے خلاف ہو جانا گوارا کیا جو صورت حال کی بنا پر پہلے سے یقینی تھا لیکن خود اپنے تئیں خلافت سے علحدہ کرنا گوارا نہیں کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کو جہاں تک کہ پر امن طریقہ سے ہو سکتا تھا برابر پورا کرتے رہے اور مسلمانوں کی گمراہی کے اسباب میں خود عملی طور پر شریک نہیں ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی خلفاء کے ساتھ حقیقۃً اتحاد رکھتے تھے اور آپ کو کوئی ناگواری اُن حضرات کی خلافت سے نہ تھی۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ بہادر جرنیل جو ابتدائے بعثت سے لیکر رسول کے آخر عمر تک برابر ہر لڑائی میں علمدار یا سپہ سالار رہا ہو۔ جس نے کبھی شکست کی صورت نہ دیکھی ہو۔ جس کی شجاعت کا بہادران عرب کے دل پر سکہ ہو، رسول کے بعد اتنی لڑائیاں ہو جائیں۔ روم و شام کے ممالک فتح ہوں۔ ایران و عراق پر اسلامی فوج کشی ہو اور قبایل سے اسلامی جہاد مگر وہی بہادر، ہاں وہی جرنیل اس پوری

طویل مدت میں کسی ایک لڑائی میں بھی شرکت نہ کرے۔ بالکل علٰحدہ رہے اور ایسا معلوم ہو کہ اس کے بازوؤں کی طاقت سلب ہو گئی۔ اُس کے دل کی ہمت جاتی رہی اور اُس کی تلوار کند ہو گئی۔

فوجوں کی سپہ سالاری نئے نئے جرنیلوں کے سپرد ہو، خالد بن الولید سیف اللہ ہو جائیں۔ سعد بن الوقاص فاتح عراق و ایران مشہور ہوں مگر علی کا کہیں نام نظر نہ آئے۔

بے شک کسی خاص موقع پر جب کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آئے اور دربار خلافت کی طرف سے مشورہ کے لئے بلائے جائیں تو چلے جائیں اور اُسوقت صحیح مشورہ دیدیں۔

یہ رزم کا تذکرہ تھا اور جہاد کا مرحلہ، اب علمی کارنامہ کا حال سنو کہ قرآن کے جمع و تالیف ایسی اہم خدمت جس پر مسلمانوں کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کا انحصار، اور علی کی ایسی ذات جس کے متعلق حضرت رسول نے ارشاد کیا ہو " انا مدینۃ العلم وعلی بابہا"، اور خاص طور سے علم القرآن کی یہ فرماکر گواہی دی ہو کہ:۔ "علی مع القرآن والقرآن مع علی" اور "لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" کے الفاظ میں بھی قرآن والبیت کی دوامی معیت کا ثبوت دیا ہو اور خود علی کا یہ دعوٰی رہا ہو کہ "یسلونی عن کل آیۃ من کتاب اللہ عزوجل لہ" مجھ سے قرآن کی ہر آیت کے بارے میں سوال کرلو"۔ لیکن جب قرآن کی جمع و تالیف کا مرحلہ پیش آئے تو زید بن ثابت سے خدمات حاصل کئے جائیں۔ مسجد کے دروازہ پر آدمی بٹھائے جائیں اور ایک ایک سے قرآن کی آیتوں کے متعلق سوال کیا جائے اور دو دو آدمیوں کی گواہی پر آیتیں درج کی جائیں اور بعض آیتیں بڑی جستجو کے بعد کسی ایک صحابی کے پاس دستیاب ہوں اور اُسی کے اعتماد پر لکھی جائیں مگر علی کو اس خدمت میں شریک نہ کیا جائے اور اُن کا نام تک نظر نہ آئے کہ وہ بھی اس اہم کام میں کوئی دخل رکھتے تھے۔

کیا اس کے بعد یہ دعوٰی قرین قیاس ہے کہ علی اور خلفاء میں اتحاد تھا اور کسی طرح کی کوئی رنجش درمیان میں نہ تھی؟ یا یہ کہنا درست ہے کہ اگر حضرت علی اس خلافت کو جائز تصور کرتے تھے تو آپ کٹ کر علٰحدہ ہو جاتے؟

اس کے بعد اگر یہ نظر آئے کہ جب کبھی علی کو مشورہ کے لئے بلایا گیا تو آپ نے مشورہ سے عذر نہیں کیا اور مشورہ وہی دیا جو حقیقتاً آپ کے نزدیک صحیح تھا تو اسے صرف علی کی بلند نفسی اور عالی ظرفی سمجھنا چاہئے امانت و دیانت سمجھنا چاہئے۔ بے لوثی اور اسلامی ہمدردی سمجھنا چاہئے اور یہی وہ بلند اخلاقی معیار ہے جو رسول کے بعد علی کو بلند ترین سطح کا انسان ثابت کرتا ہے ۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ آپ نے مذہبی حیثیت سے خلفاء کی خلافت کو تسلیم کرلیا تھا اور آپ کو اُس پر اعتراض نہیں تھا۔

پانچواں سوال

اسلام نے ہیئت اجتماعی کا کیا اُصول پیش کیا ہے اور اُس کو دیکھتے ہوئے نیابت و خلافت کا سلسلہ نامزدگی کے ذریعہ سے صحیح تسلیم کرنا اور کسی ایک خاندان کے لئے مخصوص سمجھنا درست ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

اس سوال کے متعلق جناب مدیر نگار کی رائے جس پر اس سوال کی بنیاد قائم ہے، حسب ذیل ہے:۔

"اسلام جمہوری حکومت کا حامی تھا اور وہ مسئلہ نیابت کی بنیاد خاندانی یا ذاتی وجاہت پر قائم کرنا نہ چاہتا تھا، اس لئے رسول اللہ کا اپنے بعد کسی کو نامزد کر جانا کوئی معنی نہ رکھتا تھا"

یہ حقیقۃً وہ ایک ہمہ گیر خیال ہے جو اسوقت فی صدی ننانوے (۹۹) مسلمانوں کے دماغ میں مضمر ہے یہاں تک کہ بہت سے افراد شیعہ بھی دانستہ و نادانستہ اس کے ساتھ رطب اللسان نظر آتے ہیں یہاں تک کہ عراق و ایران کا فتنۂ "مشروطہ و مستبدہ" اسی ایک خیال میں کشمکش کا نتیجہ تھا۔

اور اس لئے مسلمانوں کی جماعت متعجب ہوگی اگر میں اس کے خلاف اظہار خیال کروں لیکن کیا کروں کہ کلام پاک اور نیز درایت اسلامی کی رو سے میری سمجھ میں اس کے خلاف ہی آتا ہے۔

جیسا کہ جناب نیاز نے متعدد بار تحریر فرمایا ہے اور حقیقت ثابتہ بھی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دو حیثیتیں حاصل تھیں۔ ایک حیثیت معلم روحانی ہونے کی اور دوسری حیثیت حاکم و متصرف ہونے کی نگار کے الفاظ میں پہلی حیثیت مذہبی ہے اور دوسری سیاسی۔

پہلی حیثیت کے متعلق خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ براہ راست الہامی چیز ہے اس لئے اس کا تعلق خدا سے ہونا چاہئے لیکن دوسری حیثیت کے لحاظ سے تو پیغمبر ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتے تھے جو سیاسی حیثیت سے نافذ الحکم ہو۔

اگر اسلام میں حکومت کی بنیاد بہر صورت جمہوریت ہی پر ہوتی تو آخر خود رسول کا انتخاب بحیثیت حاکم و متصرف کے کس انتخاب عام اور افراد جامعہ کے عمومی اختیار و قرار داد سے ہوا تھا!۔ اور جب رسول کی خود مختارانہ بادشاہت میں افراد اُمت کا کوئی دسترس نہیں ہے تو رسول اگر اپنے بعد کے لئے بحیثیت خلیفہ و جانشین کسی شخص کو حاکم و متصرف قرار دیجائے تو اُس میں جمہور کو مداخلت کا کیا حق ہوگا اور یہ کہنا کہاں صحیح ہوگا کہ یہ اسلام کی روح جمہوریت کے خلاف ہے۔

میرے خیال میں "روح جمہوریت" جسے عام لوگ جمہوریت کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ تو اُسی وقت رخصت ہوگئی جب پیغمبر کا انتخاب خدا کی جانب سے ہوا اور عام افراد کو اس میں رائے دہندگی کا حق نہیں دیا گیا۔ احکام و تجویزات پیغمبر کے مقابلہ میں عام افراد کا سلب حقوق اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ صاف صاف اعلان کر دیا:۔ "ماکان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم"۔ (یعنی) ہرگز مسلمانوں میں کسی شخص کو کوئی حق نہیں ہے کہ جب خدا اور رسول کوئی بات طے کر دیں تو انہیں کوئی اختیار باقی رہے اپنے امر میں"۔

بلکہ اسلام نے رسول کے لئے اتنی بڑی مکمل ڈکٹیٹر شپ قرار دی ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہو اس طرح کہ:۔ "النبی اولی بالمومنین من انفسھم"۔ (یعنی) نبی کو تمام مومنین پر خود اُن کے نفوس سے زائد اختیار ہے"۔ اور جب غدیر کے واقعہ پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول نے اپنی اس مستقل حاکمانہ حیثیت (مکمل ڈکٹیٹر شپ) کا حوالہ دیتے ہوئے اور سب سے اُس کا اقرار لیتے ہوئے خود اپنے اختیارات امتیازی سے بالکل اپنی ہی حیثیت اپنے ہی اختیار و اقتدار کو اپنے بعد علیؑ کو تفویض کیا یہ کہکر کہ:۔ "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ"۔

اس کے بعد یہ کہنا کہاں صحیح ہے کہ اسلام روح جمہوریت کا حامی ہے اور اس لئے کسی کو نامزد کرنا روح اسلامی کے خلاف ہے۔

"جمہوریت" یقیناً خوش آیند مفہوم ہے لیکن اس کا اصلی مفاد یہ ہے کہ تمام افراد جامعہ کے حقوق یکساں حیثیت سے محفوظ رہیں اور اُس میں تغلب و تصرف کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ اُس "جمہوریت" سے جس کی تشکیل دنیا میں ہوا کرتی ہے غیر ممکن ہے۔

جب تک اہل دنیا میں دو طبقے ہیں عوام و خواص اور عوام کی اکثریت ذاتی رائے نہ رکھنے والی بلکہ "بھیڑیا دھسان" صورت سے ہر پکارنے والے کی آواز پر ناسمجھی سے چلی جانے والی اور خواص کی اکثریت بندۂ ہوا و ہوس ہونے کی جہت سے اغراض شخصیہ کا پتلا اور ذاتی جاہ طلبی و اقتدار پسندی کا مجسمہ ہے۔ اُسوقت تک صحیح جمہوریت کا دنیا میں وجود ہو ہی نہیں سکتا اور جسے "جمہوریت" کہا جاتا ہے وہ ایک سخت ترین "مغویانہ" استبداد ہے جسے "جمہوریت" کے نام سے بھولی بھالی جمہور کے سر خواہ مخواہ منڈھا جاتا ہے اور اس دھوکے کی ٹٹی میں اغراض نفسانیہ کا شکار کھیلا جاتا ہے۔

بے شک مفاد "جمہوریت" کے حاصل ہونے کے لئے ایک اطمینان بخش صورت ہے یہ کہ نمایندۂ خداوندی جس کے بارے میں یہ حقیقت مسلّم ہو چکی ہے کہ وہ جانبداری و رعایت اور دوسرے لفظوں میں ضمیر کی خرابیوں سے پاک و منزّہ یعنی بالکل معصوم ہے خود اپنی صوابدید سے کسی شخص کو مصالح عامّہ کا ذمہ دار بنا جائے۔

اس طرح یقیناً تمام افراد کو سمجھ لینا پڑے گا کہ اب کسی کے ساتھ ظلم و تشدد، جبر و استبداد نہ ہوگا اور سب یکساں طور پر حریت کی ہوائیں سانس لیں گے اور مساوات کی نعمت سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

اس نکتہ کو کافی تفصیل کے ساتھ جناب سید العلما مولانا سید علی نقی صاحب نے اپنے رسالہ "وجود حجت" میں اپنے خاص انداز تحریر میں لکھا ہے جس کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"امام اور بالفاظ دیگر حافظ شریعت کا تقرر اگر باہمی پنچایت اور انتخاب خود اختیاری و کثرت آراء کی بنا پر ہو تو اس حافظ و نگہبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ خود شریعت کے بارے میں اکثریت جس طریقہ پر جائے گی وہی حق سمجھا جائے اگرچہ وہ شریعت کی تبدیل و تحریف اور اُس کی تراش و خراش ہی کیوں نہ ہو اور اگر نظام شریعت پر عملدرآمد کے بارے میں اکثریت سے غلطی کا احتمال ہے تو حافظ شریعت کے انتخاب میں اس غلطی کا امکان بہت زیادہ ہے۔ ملکی و ملی عہدوں کے انتخابات اور اُن کے نتائج ہمارے سامنے ہیں اور ہر شخص اُن سے واقف ہے۔

بیجا رو رعایت، جانبداری، بے انصافی، تقاضائے مروت اور آپس کے تعلقات، موجودہ منافع اور آئندہ کے توقعات، جھوٹے مواعید کا فریب اور بے حقیقت طفل تسلیاں، ذاتی نفوذ و اقتدار اور حکام کی بارگاہ میں بے حقیقت اثر و رسوخ،۔ ظاہری تزک و احتشام اور ملمع کار وجاہت و اعزاز یہ چیزیں وہ ہیں جو اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کر دینے کے کامیاب ترین ذرائع ہیں اور اکثریتوں کی تشکیل اکثر و بیشتر انہی بنیادوں پر ہوتی ہے ــــ امامت کسی محدود جماعت یا مخصوص قریہ، شہر یا صوبہ کی حکومت و سلطنت نہیں ہے بلکہ وہ تمام اُمت کی مصلحت و انتظام کی ذمہ دار ہے اور جہاں جہاں تک کسی شریعت کا دامن وسیع ہو امامت کو وسعت حاصل ہوگی، وہ ایسا منصب ہے جس کے سبب سے یتیم بچہ بیوہ کمزور اور مظلوم، غنی، فقیر، قوی، ضعیف سب کو برابر فائدہ پہونچے اور عالم میں بشری نظام خدائی منشاء کے مطابق پورے طور پر درست ہو، اگر امامت ایک ایسے شخص کے سپرد کر دی گئی جو خود خواہشات نفس کا پابند ہے تو اُس سے خود دوسروں پر ظلم و ستم کا اندیشہ ہے چہ جائیکہ اس کے ذریعہ ظالم و مظلوم میں پورے طور سے انصاف کا فرض انجام پائے۔

بلکہ یہ غرض اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اُس کا تقرر اُس علام الغیوب ہستی کے سپرد کر دیا جائے جو بنی نوع بشر کے باطنی رموز و دینیات سے پورے طور پر واقف ہے۔ اس سے بڑھ کر مصالح عامہ کا لحاظ کیونکر ہو سکتا ہے۔

درحقیقت یہ اُصول کہ امامت کے انتخاب کو رسول کے واسطے سے حضرت باری عز اسمہ تک منتہی

ہونا چاہئے بکمل طور سے جمہوریت و مساوات پر مبنی ہے۔ درحقیقت حاضر و مستقبل میں بشری مصالح کی نگہداشت اور تمام طبقات بشر کے مساوی طور پر حقوق کی حفاظت جو آہی لطف و عدل و حکمت کی روشنی میں انجام پائے اور جس میں دھوکے دھڑی، مکر و فریب، تعصب و استبداد، حق تلفی و ناحق کوشی، اہل حل و عقد اور اُمت کے نمائندوں میں اہل تدلیس و نفاق کے داخلہ اور آزادی رائے کے نام سے کروڑ افراد کے اختیارات سلب کرنے اور جبر و قہر سے اُن کی زبان بند کرنیکا امکان ہو اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتی"۔

یہ اس مسئلہ کا تصفیہ کن پہلو ہے جس کے بعد کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چھٹا سوال

ہر دو فریق کے روایات پر سیاسی ماحول کا کوئی اثر پڑا یا نہیں ۔ اگر پڑا تو کیا ؟

اس سوال کے جواب میں اگر واقعات سے استناد کیا جائے تو یہ کہنا بالکل درست ہے کہ سیاسی ماحول کا جہاں تک اثر پڑا ہے وہ خلافت جناب امیرؑ کے روایات کے مضر پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنے اہل سنت کے وہ روایات جن سے دوسرے خلفار کی افضلیت ظاہر ہوتی ہے یا جن سے خلافت جناب امیرؑ یا آپ کی افضلیت کے روایات کا معارضہ کیا جاتا ہے۔ اُن میں بہت زیادہ سیاسی اثرات کارفرما ہیں اور اسی لئے اُن کی تائید فرقۂ شیعہ کے روایات سے بالکل نہیں ہوتی لیکن فرقۂ شیعہ کے روایات جن کی تائید خود اہلسنت کے روایات میں بھی موجود ہے اُن میں کسی سیاسی ماحول کا اثر پڑنا حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

بلکہ سیاسی ماحول تو ان روایات کے بالکل مخفی اور نسیاً منسیا ہو جانے کا متقاضی تھا جس کے بعد میں تو حق کی طاقت کا ایک حیرت انگیز معجزہ سمجھتا ہوں کہ یہ فضائل باقی رہے اور اتنے نمایاں طریقہ سے کہ باوجود انتہائی کوششوں کے ان کے مقابل روایات فضیلت ان کے برابر کیا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔

اس سوال کے جواب میں اس سے زیادہ لکھنے کا اب قلم کو حوصلہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر ضرورت باقی رہی تو پھر دیکھا جائے گا۔ والسلام۔

(نگار) مسئلہ خلافت و امامت کے متعلق یہ بالکل پہلا مقالہ ہے جس میں "نقل" سے ہٹ کر "عقل" سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے اور جو عقاید اہل تشیع کی "روایتی سطح" پر بھی پوری طرح منطبق

ہوتا ہے۔ میں نے جو چند سوالات قائم کئے تھے اُن سے مدعا یہی تھا کہ اس بحث کا علمی پہلو سامنے آجائے اور اسی لئے میں نے سب سے پہلے شیعی علماء کو متوجہ کیا تھا کیونکہ جب تک اُن کی "درایت" کا صحیح علم نہ ہوجائے بحث و گفتگو کے حدود متعین نہیں ہوسکتے۔

میں نے جہاں تک غور کیا ہے یہ مقالہ شیعی نقطۂ نظر کی بہترین نمایندگی کرتا ہے اور اس سے زیادہ اگر کچھ لکھا جاسکتا ہے تو وہ اس کی "شرح و بسط" ہوگی۔ الغرض شیعی جماعت کی طرف سے یہ چیز ایک قطعی و آخری حجت کی حیثیت سے پیش کی گئی ہے اور اب اسی کے "رد و قبول" پر فیصلہ کا انحصار ہے۔

میرا ارادہ ہوا تھا کہ اپنی رائے بھی ساتھ ہی ساتھ شائع کردوں، لیکن چونکہ بدقسمتی سے میرا شمار ان لوگوں میں سے ہے جنھیں نہ تشیع سے کوئی واسطہ ہے نہ تسنن سے (اور اگر ہے تو دونوں سے یکساں) اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اہل تسنن کی رائے معلوم کئے بغیر (جو واقعی فریق ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں) اس مسئلہ پر کچھ لکھوں۔

بہرحال یہ مقالہ تمام علماء اہل سنت کے سامنے ہے اور نگار کے صفحات ان کے خیالات گرامی کے اظہار کے لئے کھُلے ہوئے ہیں۔ اگر انھوں نے توجہ کی تو یہ نہ صرف میرے لئے بلکہ تمام اہل علم کے لئے باعث مسرت ہوگا، ورنہ بدرجہ مجبوری مجھی کو وہ کچھ کہنا پڑے گا جس کا دوسرا نام دُنیا نے "ناگفتہ بہ" رکھ چھوڑا ہے۔

مذہب مہدویہ پر اعتراضات کی تردید

رسالہ نگار بابتہ ماہ اپریل ۱۹۳۵ء میں عقاید مہدویہ سے متعلق چند اعتراضات شائع کئے گئے تھے ان کی تردید میں ایک رسالہ "تنویر الابصار" (۲۴۰) صفحہ کا شائع ہوا ہے جس میں جملہ اعتراضات کی مدلل طور پر تردید کی گئی ہے قیمت ۸ر علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ { مولوی سید حید صاحب اہل فضل یا منشی سید عبداللہ صاحب نور بیڑی ایجنٹ محلہ دائرۃ الاسلام چن پٹن۔ علاقہ ریاست میسور۔ سکریٹری انجمن مہدویہ مہتر بلڈنگ۔ بنگلور۔ سٹی۔

سائنس کے بعض دلچسپ معلومات

کائنات ایک اعجوبہ زار ہے، بشرطیکہ ہماری رگِ جستجو حرکت میں آئے، ورنہ وہ اس قدر بے نمک چیز ہی کہ ایک انسان کے رہنے اور بسنے کی چیز معلوم نہیں ہوتی — وہی ایک سی صبح و شام، وہی ایک انداز کا طلوع و غروب، وہی وقت مقررہ پر سمندر کا مد و جزر، وہی یکساں موسموں کی آمد و شد، وہی غرۂ و محاق، وہی تم وہی ہم — الغرض تصور سے جی گھبرانے لگتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جس نے اس یکسانیت کو اپنے لئے سراپا تجدد و تنوع بنالیا ہے اور کائنات اس کے لئے یکسر رنگ و تماشا ہو کر رہ گئی ہے۔ اُس کے لئے "برپشت پائے خود نہ بینم" کا نظریہ کوئی معنی نہیں رکھتا، اس کا مسلک صرف یہ ہے کہ

قطرگی بگزار تا عماں شوی

اور اس لئے وہ "طارم اعلیٰ" سے اِدھر کی کوئی بات کرتی ہی نہیں، اور اسی کا نام اس نے زندگی رکھا ہے۔

انسان فطرتاً جستجو پسند پیدا ہوا ہے اور یہی اس کی حیات کا راز ہے ——— حیات سے مراد میری صرف سانس لیتے رہنا نہیں ہے بلکہ زندگانی جس کا دوسرا نام "زندہ دلی" بھی ہے — جستجو نام حرکت کا ہے جوارح ظاہری کی حرکت نہیں بلکہ حرکت ذہن و دماغ، اور جب تک یہ کیفیت کسی قوم میں پائی جاتی ہے زندہ رہتی ہے، اور جب یہ خصوصیت مفقود ہو جاتی ہے تو وہ مرجاتی ہے — ھو اللذی یحیی و یمیت!

آج اگر آپ "زندگی و موت" کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو "مغرب و مشرق" کا مطالعہ کیجئے کہ وہاں "دونوں جہاں" ملنے پر بھی بس نہیں اور یہاں احساس کی معراج کا یہ عالم کہ

القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

وہاں انسان سے مراد اس کا ہوش و گوش ہے، اس کی ذہنی بیداری ہے، اسکی دماغی آزادی ہے

اور اس کا ایک جگہ چین سے نہ بیٹھا رہنا۔ یہاں انسان وہ ہے جو دوسروں کے کان سے سُنے، دوسروں کی آنکھوں سے دیکھے، اور ایک غیر متحرک پارۂ سنگ کی طرح جہاں پڑا ہے وہیں پڑا رہے۔ وہاں زندگی نام ہے مستقبل کے پردوں کے اُٹھا دینے کا، یہاں صرف ماضی۔ تاریک ماضی کی پرستش و نیایش کا۔ وہاں انسانِ کامل ہنوز پردۂ خفا میں ہے اور اس کے پا لینے کے لئے ہر دل بیتاب ہے، یہاں وہ ماضی بعید میں پیدا ہو کر مر چکا ہے اور اب دوبارہ اس کے احیار کی امید نہیں۔ الغرض یوں سمجھئے کہ ہم صرف خدا پر لو لگائے بیٹھے ہیں اور وہ یہ روشنی خود اپنے اندر ڈھونڈھ رہے ہیں۔

پھر ان دو مختلف و متضاد ذہنیتوں کی جو دو مختلف راہیں متعین ہو جانا چاہئے، ان کی صراحت کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہنوز یہی نزاع باقی ہے کہ "کعبہ و ترکستان" کی راہ کونسی ہے اور وہاں یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا

قوموں کا مستقبل اُن کے حال میں پوشیدہ ہوا کرتا ہے، یعنی دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ ہم نے کیا کیا کیونکہ کائنات و عمل دونوں غیر محدود ہیں بلکہ صرف یہ کہ ہماری جو نسلیں اب آنے والی ہیں، ان کے میدان عمل کو ہم نے کتنا وسیع بنا دیا اور ان کے ذہن میں ہم نے کتنی جرأت اقدام پیدا کر دی۔ سو اس کا حال ہم کو اس اُصول تعلیم و تربیت سے معلوم ہو سکتا ہے جو ایک قوم اپنے بچوں کے لئے متعین کرتی ہے میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں اپنے یہاں کی مشہور قومی و مذہبی درسگاہوں کی کہنگی و فرسودگی کا رونا لیکر بیٹھ جاؤں اور نہ غالباً اس کی ضرورت۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ زندہ قوموں کے بچوں کو جن اُصول پر تعلیم دیجاتی ہے اس کے تیور کیا ہوتے ہیں اور اس کا مستقبل کتنا شاندار ہوتا ہے۔

میں یہ پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اصل چیز انسان کو ترقی کی راہ پر لگانے والی اس کی جستجو ہے اور چونکہ اس کا اولین تعلق فرایض الاعضاء سے ہے اس لئے آئیے دیکھیں کہ خود اپنی ذات کے متعلق جتنا علم مغرب کے بچوں کو حاصل ہے، اس سے ہم کس حد تک آگاہ ہیں۔

ہم روتے کیوں ہیں

اس سوال کا جواب دیتے وقت سب سے پہلا خیال جو ہمارے دل میں آئے گا وہ یہ ہوگا کہ جب ہم رنجیدہ ہوتے ہیں تو رونے لگتے ہیں مگر رونے کی صرف یہی وجہ نہیں ہے کیونکہ ہم کسی جسمانی یا روحی تکلیف سے بھی

رونے لگتے ہیں، کسی خاص جذبہ سے متاثر ہو کر بھی رونا ہم کو آجاتا ہے اور بعض اسباب تو بالکل مادی وجسمانی ہوتے ہیں، مثلاً پیاز سے آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ اگر آنکھ میں کوئی کیڑا یا خاک کا ذرہ پڑ جائے تو بھی آنسو بہنے لگیں گے۔ زیادہ کھانسنے، استفراغ کرنے اور کسی چیز میں بہت قوت صرف کرنے سے بھی آنکھوں سے پانی بہنے لگیگا۔
مگر دراصل رونے کا باعث نفسیاتی تحریک ہوا کرتی ہے۔ "رونا" دراصل آنسوؤں کے غدود کی ایک تحریک ہے یہ غدود بالکل آنکھوں کے اوپر ہوتے ہیں جن کا کام یہ ہے کہ وہ آنکھوں کو تر رکھا کریں۔ ان غدود میں جب تحریک زیادہ ہو جاتی ہے تو پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے آنکھ اور ناک سے بہنے لگتے ہیں اور جب یہ پانی بہت زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ آنکھوں سے نکل کر رخسار تک آنے لگتا ہے اور اسی کو "رونا" کہتے ہیں۔ غدود کے تحریک کی یہ زیادتی منحصر ہے خون کے دباؤ کی زیادتی پر۔ اور خون کا دباؤ جذبات کی فراوانی سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں آنسوؤں کا بہنا بالکل قدرتی امر ہے۔ آنسو اس اجتماع خون کو کم کر کے سکون پہونچاتے ہیں گویا وہ قدرتی محافظ ہیں، یعنی رونے سے دماغ کا اجتماع خون دور ہو جاتا ہے۔

خون کیوں جم جاتا ہے؟

بعض دفعہ جب انگلی یا بدن کے کسی حصہ کی کھال کٹ جاتی ہے تو کسی رگ کو بھی کچھ نقصان پہونچ جاتا ہے اور خون بہنے لگتا ہے پھر اگر زخم یا چوٹ معمولی ہے تو تھوڑی دیر کے بعد یہ خون بند ہو جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟
یوں تو خون بند ہونے کے کئی اسباب ہیں مگر سب سے اہم وجہ خون کا جم جانا ہے۔ یعنی جب خون کا رقیق حصہ جسے (PLASMA) کہتے ہیں جم جاتا ہے تو خون بند ہو جاتا ہے۔
یہ مادہ چھوٹے چھوٹے تاگوں کی شکل کا ہوتا ہے اور اس واسطے اس کا نام (FIBRIN) رکھا گیا ہے۔ یہ تاگے خون میں ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں اور حلقہ سا بنائے ہوئے، خون کے تمام اجزا اپنے اندر لئے ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ بدن سے باہر ہوتے ہیں تو سکڑنے لگتے ہیں اور ایک جال سا بنا کر انھیں اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں اور یہی انجماد خون ہے۔
تھوڑی دیر کے بعد اس انجماد سے ایک زرد قسم کا رقیق مادہ پیدا ہوتا ہے اسے (SERUM) کہتے ہیں۔

ہم مسکراتے کیوں ہیں؟

جب کسی اجنبی یا کسی پرانے دوست سے ملاقات ہوتی ہے اور اُس سے ملنے کے لئے ہم بڑھتے ہیں تو مصافحہ کرتے وقت مسکرانے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مسکراہٹ، ایک محبت اور ایک قسم کے تعارف کا نشان ہے۔ ایسے موقعوں پر بے اختیارانہ چہرہ پر مُسکراہٹ آجاتی ہے۔ لیکن اس عادت کی کوئی نہ کوئی فطرتی وجہ بھی ہونا چاہئے۔

چارلس ڈارون نے سب سے پہلے دُنیا کو یہ بتایا کہ مسکرانے اور غرانے میں جو پٹھے استعمال ہوتے ہیں وہ ایک ہی ہیں۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ جب دو اجنبی کتے ملتے ہیں تو کچھ دیر تک غراتے رہتے ہیں۔ اس غرانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ان میں سے ہر کتا دوسرے سے جنگ کے لئے طیار ہے۔

اسی طرح جب کوئی مُسکراتا ہے تو گویا وہ مسکراہٹ، غراہٹ کا ایک ارتقا ہے جو در اصل محافظت کی ایک علامت تھی۔ چنانچہ ہم اجنبیوں سے مل کر اس وجہ سے مسکراتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد جو جانور تھے پہلے اجنبیوں کو دیکھ کر غراتے تھے۔ اس کی ایک مثال بندر میں مل سکتی ہے جو اجنبی کو اپنے قریب آتا دیکھکر غراتا ہے۔

شرما جانے کی وجہ

یہ کیفیت زیادہ تر نوجوان یا کنواری لڑکیوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر ان کے سامنے ان کی تعریف کیجائے تو چہرہ سے شرمیلا پن ظاہر ہونے لگیگا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خون جلدی سے چہرہ اور گردن کی طرف دوڑ جاتا ہے اور شرائین کو خون سے بھر دیتا ہے۔ اگر یہ خون عروق کا ہوا تو چہرہ کا رُخ اودا ہو جائے گا۔

(ہیک ٹک) HACK TUCK لکھتا ہے کہ شرم کی سُرخی گردن اور کان سے شروع ہوتی ہے، غصہ کی سرخی آنکھوں سے نمایاں ہوتی ہے اور محبت کی سرخی پیشانی سے شروع ہوتی ہے۔

ڈارون کا اس بارہ میں یہ خیال ہے کہ جب کسی آدمی کو یہ خیال آتا ہے کہ دوسرے اُس کی طرف دیکھ رہے ہیں تو وہ اپنی توجہ خود اپنے چہرہ کی طرف مبذول کر لیتا ہے۔ اور اسی لئے اُس طرف خون کی روانی منتقل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ نظریہ اب تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ماسو (MOSSO) اور ونٹ (WUNDT) وغیرہ

کے نظریہ کے مطابق شرم یا غصہ کی وجہ سے وہ رگیں جو چہرہ میں دوران خون کی ذمہ دار ہیں عارضی طور سے معطل ہو جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس حصہ میں زیادہ خون آجاتا ہے۔

تم زرد کیوں ہو جاتے ہو؟

بعض وقت کسی غیر متوقع خوفناک چیز کو دیکھ کر آدمی کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی وہ بے ہوش بھی ہو جاتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ ہر بال سے متعلق ایک چھوٹا سا پٹھا بھی ہوتا ہے جو خوف کا جذبہ غالب آجانے کی وجہ سے اور چھوٹا ہو جاتا ہے اور جس طرح کسی رسی کو باندھ کر کھینچنے سے ایک لکڑی کا لٹھا سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے اُسی طرح جب وہ پٹھا چھوٹا ہوتا ہے تو بال بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔

چہرہ اسواسطے خوف سے زرد ہو جاتا ہے کہ جلد کے نیچے جو رگیں ہوتی ہیں وہ یکایک خون سے خالی ہو جاتی ہیں۔ یہ خون جسم کی بڑی نالیوں میں پہونچ جاتا ہے اور اب خون کا دوران نئے سرے سے شروع ہوتا ہے جسمیں جسم کی سطح پر تو خون ہوتا نہیں البتہ اس کی جگہ پر اندرونی جسم خون سے بھر جاتا ہے۔

لیکن چہرہ کی یہ حالت خوف کی ہی حالت میں نہیں ہو جاتی بلکہ فوری غصہ سے بھی یہی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں صرف چہرہ ہی سے خون نہیں ہٹ جاتا بلکہ تھوڑی دیر کے لئے بدن کی تمام بالائی سطح خون سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ خون دماغ سے بھی نکل جاتا ہے تو آدمی بیہوش ہو جاتا ہے۔

گورے رنگ کے آدمی شمال میں اور سانولے رنگ کے جنوب میں کیوں پائے جاتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ گورے رنگ اور ہلکے رنگ کے بالوں والے آدمی زیادہ تر شمال میں پائے جاتے ہیں جہاں کی آب وہوا سرد یا معتدل ہوتی ہے اور سانولے رنگ اور سیاہ بالوں والے گرم ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انگریز، جرمن، اہل سوئڈن، اہل ناروے، اہل ہالینڈ وغیرہ (جو بالکل شمال میں رہتے ہیں) عموماً بہت گورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ ان کے برخلاف فرانسیسی، اطالوی، اسپینی، پرتگالی، یونانی، اور ترک وغیرہ اتنے صاف رنگ کے نہیں ہوتے۔ اسی طرح جیسے جیسے نیچے جنوب کی طرف بڑھتے جائیں گے، اتنا ہی زیادہ وہاں کے باشندوں کا رنگ سیاہ نظر آئے گا۔ اگر کوئی قوم جنوبی آب وہوا میں جاکر رہنے لگے تو خواہ وہ کتنی ہی

صاف رنگ کی کیوں نہ ہو مگر اُس کا رنگ پھیکا پڑتا جائے گا اور وہ سانولی ہو جائے گی۔ اس کی مثال یونانی ہیں جو کبھی بہت حسین گورے رنگ اور سنہرے بالوں والے ہوتے تھے مگر اب ان کا رنگ سانولا ہو گیا ہے اور بال کالے پڑ گئے ہیں ——— اس کی کیا وجہ ہے ؟ ——— سبب یہ ہے کہ سورج کی تمازت جنوب میں رہنے والوں کو سانولا اور سیاہ کر دیتی ہے۔ سورج کی گرم شعاعوں سے محافظت کے لئے قدرت انسان کی کھال میں ایک روغنی مادہ پیدا کر دیتی ہے جو گرم شعاعوں کو روکتا اور حدت آفتاب کی تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ مادہ ایک رنگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جو چہرہ اور بالوں سے نمایاں ہو جاتا ہے

چوٹ کا احساس کیونکر ہوتا ہے؟

اگر لڑائی میں یا کسی اور طریقہ سے چوٹ لگ جائے تو اُسوقت تکلیف نہیں معلوم ہوتی بلکہ کچھ دیر کے بعد اُس کا احساس ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہماری اُنگلی یا بدن کے کسی حصہ میں معمولی سی چوٹ آجاتی ہے مگر جب تک ہم خون نہیں دیکھتے اُسوقت تک ہم کو چوٹ کا خیال بھی نہیں آتا لیکن جیسے ہی خون نظر پڑتا ہے یا ہماری توجہ ہماری چوٹ کی طرف (جو ہم کو لگتے وقت نہیں محسوس ہوئی تھی) منعطف کرائی جاتی ہے تو ہمیں یکایک تھوڑی سی تکلیف یا درد معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں رگوں کے کرنٹ (CURRENT) مرکز سے باہر سطح جسم کی طرف دوڑتے ہیں اور درد کے کرنٹ اندر آنے والے کرنٹ ہوتے ہیں اور اگر اُس وقت یہ کرنٹ، آنے کی جگہ نہ پائیں تو درد نہ محسوس ہو۔ اس کی مثال یوں دیجا سکتی ہے کہ ایک اسٹیشن پر کئی ریل کی پٹریاں ہیں اور کوئی پٹری خالی نہیں بلکہ ہر پٹری سے کوئی نہ کوئی ٹرین جاری ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اور کوئی ٹرین اُسوقت تک اس اسٹیشن پر نہ آسکیگی جب تک کہ اُسے جگہ نہ خالی ملیگی اور چونکہ فی الحال کوئی جگہ خالی نہیں لہذا کوئی دوسری گاڑی آ نہیں سکتی۔ اب چوٹ لگتے وقت درد کی گاڑی گویا آنے والی گاڑی ہے جس کے ساتھ درد بھی آرہا ہے لیکن رگوں کے دوسرے کرنٹ باہر جا رہے ہیں اس لئے مقدم الذکر کو آنے کی جگہ نہیں ملتی اور اسی وجہ سے درد بھی نہیں محسوس ہوتا۔ جیسے ہی باہر جانے والے کرنٹ ختم ہو جاتے ہیں اور درد والے کرنٹ اندر آتے ہیں درد محسوس ہونے لگتا ہے۔

تم بہ نسبت رات کے دن میں کیوں زیادہ لمبے ہو جاتے ہو

اگر کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے تو وہ یہ جواب دیگا کہ جتنے لمبے ہم رات کو تھے اتنے ہی دن میں بھی تھے

اور وہ اس سوال کو مذاق سمجھ کر بجائے جواب دینے کے ہنس کر ٹال جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص بیدار ہوتے ہی صبح کے وقت اپنے آپ کو ناپے اور پھر سوتے وقت ناپے تو اُسے پتہ چلیگا کہ صبح کے وقت اس کا قد کچھ تھوڑا سا بڑھ گیا تھا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کا جسم ڈھانچے اور پٹھوں کی وجہ سے سیدھا رہتا ہے اور اس میں سب سے زیادہ حصہ ریڑھ کی ہڈی کا ہے۔ یہ ہڈی کوئی ٹھوس ہڈی نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہ ٹھوس ہو تو آدمی اپنے آپ کو ہر طرف جھکا نہیں سکتا۔ بلکہ یہ بہت سی چھوٹی چھوٹی ہڈیوں سے مل کر بنتی ہے جن کو فقرات یا گریاں کہتے ہیں اور جو خود ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ پھر اگر یہ ہڈیاں ایک دوسرے پر ہوتیں تو ان سے دماغ اور جسم کو بہت تکلیف پہونچتی کیونکہ وہ ہڈیاں ایک دوسرے سے رگڑ کھایا کرتیں، اس لئے اس تکلیف سے بچانے کے لئے قدرت نے ان چھوٹی ہڈیوں کے درمیان نرم نرم تکیہ یا گدے سے پیدا کر دئے ہیں۔ رات کو جب ریڑھ کی ہڈی پر وزن نہیں رہتا تو یہ گدے پھول جاتے ہیں اور جسم میں نسبتاً زیادہ درازی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن دن کے وقت یہ پھر پچک جاتے ہیں اور جسم کی درازی کم ہو جاتی ہے۔

چیزوں کے رنگ مختلف کیوں ہوتے ہیں؟

ہر چیز کا کوئی نہ کوئی رنگ ہوتا ہے۔ کوئی چیز سرخ ہوتی ہے، کوئی سبز، کوئی سیاہ، کوئی نیلی، مگر سائنس یہ بتاتی ہے کہ دنیا میں کوئی شے "رنگ" کی قسم سے ہوتی ہی نہیں "رنگ" صرف انسانی دماغ میں ہوتا ہے اور ہم کو مختلف چیزیں مختلف "رنگ" کی صرف دکھائی پڑتی ہیں ورنہ دراصل رنگ کسی قسم کا نہیں ہوتا پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مختلف رنگ نظر کیوں آتے ہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چیز کی سطح اس طرح کی بنی ہوتی ہے کہ نظر آنے والے چیز کی بعض شعاعیں مٹ جاتی ہیں۔ اور بعض منعکس ہو جاتی ہیں۔ جو شعاعیں منعکس ہو جاتی ہیں وہ اُس شے کا رنگ ظاہر کرتی ہیں۔ اگر روشنی کی تمام شعاعیں جذب ہو جائیں تو کوئی چیز ہی نہ دکھائی پڑے۔ گویا کسی چیز کا کوئی خاص رنگ نہیں ہوتا بلکہ صرف اُس شے کی ایک صفت ہوتی ہے۔ اور مختلف چیزوں کے مختلف رنگ ہم کو اسواسطے نظر آتے ہیں کہ ان میں شعاعیں منعکس کرتے اور مختلف صفات پائی جاتی ہیں۔

اسی طرح دنیا میں "آواز" کا بھی وجود نہیں ہے۔ اگر دنیا میں کوئی جاندار نہ پایا جائے تو آواز بھی نہ سنائی پڑے۔ خواہ کسی پل پر سے کوئی ریل گاڑی کسی دوسری گاڑی سے ٹکرا کر نیچے گر پڑے مگر پھر بھی

کوئی آواز نہ معلوم ہوگی۔

آواز دراصل مشتمل ہے ہوا کے تموجات پر، جو بذات خود بے آواز ہیں جب یہ ہمارے کانوں میں پڑتے ہیں تو دماغ تک پہونچ جاتے ہیں اور وہاں آوازیں بدل جاتے ہیں۔ اُس وقت ہم کو احساس ہوتا ہے کہ ہم کچھ سن رہے ہیں، مگر جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے چونکہ یہ تموجات خود ہی بے آواز ہیں اس لئے اگر فضا میں کان ان کو نہ روکے تو کبھی کوئی آواز ہی نہ سنائی دے۔ آواز کا دراصل رنگ کی طرح کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

صابن کے حباب

صابن کا بلبلہ جو کسی نلکی سے اُڑایا جاتا ہے اپنے اندر کاربن ڈیاکسائڈ گیس (CORBON DIOX-IDE GAS) رکھتا ہے جو پھیپھڑوں سے نکلتی ہے۔ اس طرح سے جو بلبلہ بنتا ہے وہ صابن اور پانی سے مخلوط اور لچک دار ہوتا ہے یعنی بغیر توڑے ہوئے اُسے مختلف سمتوں کی طرف کھینچا جا سکتا ہے اس قسم کے بلبلوں میں زیادہ لچک پیدا کرنے کے لئے صابن، پانی اور گلیسرین کا مرکب استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور معمولی زرد صابن، اکثر بیش قیمت خوشبودار صابنوں سے اس معاملہ میں زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

اگر اس بلبلہ کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُس کی سطح پر کئی رنگ ہیں یہ رنگ عموماً ہلکے ہوتے ہیں اور زیادہ تر پیازی، گلابی، ہرے یا نیلے ہوتے ہیں۔ چند سکنڈ کے بعد بلبلہ کی سطح پر ایک سیاہ سا دھبہ دکھائی پڑنا شروع ہوتا ہے۔ یہ دھبہ بالکل سیاہ ہو جاتا ہے حتی کہ چند لمحوں میں بالکل ہی کالا ہو جاتا ہے اور پھر بلبلہ پھٹ جاتا ہے۔ یہ سیاہ دھبہ دراصل حباب کا باریک ترین حصہ ہوتا ہے اور اسی لئے سب سے پہلے حباب اسی جگہ سے پھٹتا ہے۔ یہاں پر حباب کی سطح (کھال) اتنی باریک ہو جاتی ہے کہ وہ روشنی کی شعاعوں کو منعکس نہیں کر سکتی۔

صابن کے بلبلوں کی مدد سے ذرات مادہ کا سائز بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ایک خاص سائز کا بلبلہ بنانے کے لئے پانی اور صابن کے کتنے مقدار کی ضرورت ہے، جب کوئی حباب طیار ہوتا ہے تو اُسے ناپا جا سکتا ہے اور اسی طرح اس کی سطح میں صابن اور پانی کے ذرات کی تعداد معلوم ہو سکتی ہے۔ فلم (حباب) کی موٹائی اُس کے رنگ سے معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے جب بلبلہ کی موٹائی اور اُس کا رقبہ معلوم ہو تو ذرات کی تعداد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک پتھر کے ٹکڑے نے تاریخ پر کیا اثر ڈالا

سو برس سے کچھ زیادہ زمانہ ہوا جب مصر میں ایک چپٹا سا پتھر دستیاب ہوا تھا جس نے دنیا کی قدیم ترین تہذیب پر غیر معمولی روشنی ڈالی۔

مصر کے نقوش (جو جانوروں کی مختلف تصویریں ہوا کرتے تھے) صدیوں تک معمہ بنے رہے اور چونکہ ان میں سے کسی ایک علامت کا حل بھی کسی شخص کو معلوم نہیں تھا اس لئے ان معموں کا حل ناممکن نظر آتا تھا مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ ان کا حل اگر معلوم کر لیا گیا تو گویا مصر قدیم کی تہذیب و تمدن اور تاریخ بھی روشنی میں آجائے گی۔ ایک مرتبہ مسٹر جیل جیمپولین (JEAN CHAMBERLAIN) ایک ماہر آثار قدیمہ کو شمالی مصر کی طرف زمین کھدوانے کے سلسلہ میں ایک چپٹا سا پتھر دستیاب ہوا جو اب "سنگ روزیٹا" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ مصری بندرگاہ روزیٹا (ROSETTA) کے قریب ملا تھا۔ اس پتھر پر دو زبانوں میں ایک کتبہ لکھا تھا یعنی مصری اور یونانی زبان میں مصری زبان کا کتبہ دونوں طرح کی مصری تحریر میں تھا، یعنی جانوروں کی شکلوں میں بھی تھا اور "عوام الناس کی تحریر" میں بھی۔ اس پتھر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تینوں تحریریں دراصل ایک ہی عبارت ہیں۔

اب اتنا پتہ پانے کے بعد مصری ماہرین تحریر نے ان شکلوں کو پڑھنا اور یونانی عبارت سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ بعض شکلوں کے واسطے جو مسلسل لکیر کھینچی گئی ہے وہ کوئی شاہی نام ظاہر کرتی ہے۔ اسے (CARTOUCHE) کہتے ہیں۔ یہ بھی مانا گیا کہ اگر یہ (PTOLEMY)(CARTOUCHE) کا نام ظاہر کرتا ہے تو اس کے الفاظ یونانی الفاظ کے ہم وزن ہوں گے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ترجمہ یونانی زبان میں شروع کیا جائے۔ اس سے قبل ایک اور پتھر مل چکا تھا جس میں لفظ کلوپیٹرا (CLEOPATRA) پرانے طرز تحریر میں کندہ تھا اور یہ پتہ چل گیا تھا کہ یہ لفظ واقعی "کلوپیٹرا" ہی ہے۔ اب اس کلوپیٹرا والے پتھر کو تازہ پتھر سے ملایا گیا تو معلوم ہوا کہ PTOLEMY اور CLEOPATRA کے ناموں کے اکثر حروف دونوں پتھروں میں ملتے ہیں مثلاً حرف L کلوپیٹرا کے لفظ میں دوسرا حرف ہے اور پٹولمی کے لفظ میں چوتھا۔ اسی طرح حرف P کلوپیٹرا کے لفظ میں پانچواں حرف ہے اور پٹولمی کے لفظ میں پہلا، وقس علی ہذا

اسی طرح دونوں پتھروں کا معائنہ کرنے سے اس کا پتہ چلا کہ دونوں کی بعض شکلیں بالکل ملتی ہیں مثلاً کسی نام میں کوئی چڑیا بنی ہوئی تھی، وہی چڑیا دوسرے نام میں بھی اسی جگہ بطور حرف کے استعمال ہوئی

جہاں واقعی اُس حرف کو استعمال کرنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ اس چڑیا کا ترجمہ انگریزی حرف اے " A " سے کیا گیا ایک اور شکل کا ترجمہ " آر " ، R ، کیا گیا۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ اسی طرح ہر شکل کا ترجمہ کر لیا گیا اور معمہ حل ہو گیا۔

اب اس حل کی بدولت مصر کی تمام پرانی تحریریں نہایت آسانی سے پڑھی جا سکتی ہیں اور ان کو پڑھنے کے بعد ہم کو مصر کی قدیم تاریخ اور اُس کے طرز معاشرت و تہذیب و تمدن کا وہ حال معلوم ہو گیا ہے جس کا ابھی تک کسی کو پتہ بھی نہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر وہ سنگ روزیٹا، دستیاب نہ ہوتا تو قدیم مصری تہذیب سے ہم اب بھی بالکل ناآشنا ہوتے۔

زمین کے بننے کے متعلق جدید نظریات

اگر ہم دنیا کے نقشہ یا کرہ پر نظر ڈالیں تو ہمیں چند خصوصیتیں نظر آئیں گی مثلاً تقریباً ہر جزیرہ نما کی جنوب کی طرف نوک ہوتی ہے بلکہ اکثر براعظم اور بڑے ممالک کا بھی یہی نقشہ ہوتا ہے جیسے (افریقہ، جنوبی امریکہ اور ہندوستان) دوسرے یہ کہ خشکی کا تقریباً تمام حصہ کرہ کے شمالی نصف کرہ میں واقع ہے اور تقریباً تمام بحری حصہ، جنوبی نصف کرہ میں۔ اسی طرح اگر شمالی نصف کرہ کی خشکی کے رقبہ کا نقشہ ایک کرہ کو دیکھ کر قطب شمالی کے نقطہ سے کھینچا جائے اور جنوبی نصف کرہ کی خشکی کے رقبہ کا نقشہ کرہ کو دیکھ کر قطب جنوبی کے نقطہ سے کھینچا جائے اور دونوں نقشوں کو ایک دوسرے پر منطبق کر دیا جائے تو خشکی کا حصہ سمندر پر پڑے گا صرف جنوبی امریکہ کا ایک حصہ ایسا قابل تذکرہ ہے جو شمالی چین کے ایک حصہ پر پڑیگا۔ آخر ایسا کیوں ہے ـــــ ؟

زمین بننے کے جدید نظریات نے اس کو اس طرح سمجھایا ہے کہ کوئی گول چیز پر بہت دباؤ پڑتا ہے تو وہ TET RA HED RON (چار مساوی مثلث نما شکل رکھنے والی ٹھوس چیز) کی طرح بن جاتی ہے۔ TET RA HED RON اس طرح بن سکتا ہے کہ چار مساوی مثلث کسی دفتی سے کاٹے جائیں اور ان کو کناروں پر ایک ساتھ چپکا دیا جائے اس طرح سے ایک لٹو کی ایسی شکل بن جائے گی جس کے سرے پر چوڑی چوڑی سطح ہوگی اور تہ پر ایک نوک۔

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ہماری زمین بھی تھوڑی سی لٹو کی شکل کی طرح ہے یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ زمین جب ٹھنڈی ہوتی ہے اور سکڑتی ہے تو TET RA HED RON کی سی ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنی گولہ کی ایسی شکل اپنے دورہ کی وجہ سے قائم رکھنا چاہتی ہے۔

اب اگر دفتی کے بنے ہوئے اس TET RA HED RON کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کنارے

مرکز کشش کے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت ان نقطوں کے۔ اور اگر اس شکل کی سطح پر پانی ٹھہرانے کی کوشش کی جائے تو وہ قدرتاً کناروں کی طرف بہیگا اور یہ نقطے بھی پانی میں آجائیں گے چنانچہ یہ نقطے، کرۂ ارض میں براعظموں یا زمین کے قطعات کی جگہ پر ہیں اور سطح سمندری حصہ کے لئے۔

سورج کیوں گرم رہتا ہے؟

سورج کی گرمی کا سوال ہمارے لئے نہایت اہم ہے کیونکہ سورج ہی کی شعاعوں پر زندگی کا انحصار ہے تقریباً ایک صدی پہلے لوگ یہی خیال کرتے تھے کہ سورج آگ کا ایک عظیم الشان گولہ ہے اور اُس میں سے اُسی طرح گرمی نکلتی ہے جس طرح جلتے ہوئے کوئلے کے ڈھیر سے چنانچہ ایک جلتی ہوئی بھٹی کی طرح سورج کو بھی سمجھا جاتا تھا۔

لیکن اس نظریہ کی اُسوقت تردید کرنا پڑی جب یہ ثابت کیا گیا کہ دوسری چیزوں کے جلنے کی طرح، سورج ایسے زبردست گولے سے بھی جو گرمی نکلتی ہے اُسے چند ہزار سال میں ختم ہو جانا چاہئے لیکن یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا میں زندگی کا وجود لاکھوں برس سے پایا جاتا ہے اور سطح زمین پر گرمی کی حدت میں کبھی کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ سورج کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ ایک زبردست جلتی ہوئی بھٹی کی طرح ہے غلط ہے۔ چنانچہ سورج کی گرمی کو تشریح کرنے کے لئے مختلف دیگر نظرئے پیش کئے گئے۔

سب سے پہلے یہ کہا گیا کہ جب سورج ٹھنڈا ہوتا ہے تو وہ سکڑتا ہے جس کی وجہ سے گرمی بھی بڑھ جاتی ہے جو کافی عرصہ تک قائم رہتی ہے لیکن پھر یہ کہا گیا کہ اگر یہ نظریہ صحیح ہوتا تو سورج کی گرمی کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔ اس کے بعد یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ ٹوٹے ہوئے تارے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی، آفتاب کی زبردست قوت کشش کی وجہ سے اس سے جا کر ٹکراتے ہیں اور اسی ٹکر کی وجہ سے گرمی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ رگڑ یا کسی تیز ٹکر سے گرمی پیدا ہوتی ہے چنانچہ اس نظریہ کو پیش کر کے یہ کہا گیا کہ اسی طرح سورج میں گرمی پیدا ہوتی ہے جو بہت عرصہ تک رہیگی۔ لیکن یہ نظریہ بھی حساب سے غلط ثابت کیا گیا۔

اب جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ سورج کی گرمی، ریڈیم، کی وجہ سے قائم ہے اور اُس میں اسوقت تک جو گرمی قائم ہے وہ ریڈیم کے ذرات (ATOMS) کی وجہ سے ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ریڈیم کا زور ہزاروں برس تک قائم رہتا ہے اور اُس کی ایک ادنی چنگاری بھی بہت زندگی رکھتی ہے (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمین کی گرمی اُس ریڈیم کی وجہ سے ایک حد تک قائم ہے جو اُس کی سطح کے نیچے اُس کی تہوں میں ہے)

آج کل اس نظریہ کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہے اور اُس پر بھی کئی اعتراضات وارد ہو گئے ہیں لہذا یہ کہنا پڑے گا کہ سورج کی گرمی کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے۔

تم گرم کیوں رہتے ہو؟

دنیا میں دو قسم کی مخلوق ہیں۔ سرد خون والی اور گرم خون والی۔ مینڈک، سانپ، چھپکلی، گھونگھا اور مچھلی سرد خون رکھتی ہیں اور شیر، چیتے، گھوڑے، بلی، کتے وغیرہ گرم خون کے ہیں۔ انسان بھی گرم خون والا جانور ہے۔

ان دونوں قسموں کے جانوروں میں فرق یہ ہے کہ سرد خون رکھنے والے جانوروں پر ان کے ماحول کے ٹمپریچر کا بھی اثر پڑتا ہے مگر گرم خون والے جانوروں کا ٹمپریچر وہی رہتا ہے خواہ ان کے ماحول میں کتنی ہی سردی یا گرمی کیوں نہ ہو۔ گویا اگر کسی مینڈک کو ۴۰ ڈگری حرارت میں رکھدیا جائے تو مینڈک کی حرارت بھی اتنی ہی ہو جائے گی۔ سرد خون رکھنے والے جانور سردی کے مارے منجمد بھی ہو سکتے ہیں اور اگر ایک مقررہ درجۂ حرارت سے زیادہ کی گرمی میں انھیں رکھا جائے تو وہ مر بھی جائیں۔

گرم خون رکھنے والے جانوروں کی حالت جداگانہ ہے۔ مثلاً تندرستی کی حالت میں ایک انسان کا درجۂ حرارت تقریباً ایک ہی رہتا ہے۔ اب خواہ وہ قطب شمالی میں جاکر رہے یا خط استوا کے ممالک میں، اُس کا جسمانی درجۂ حرارت یہی رہیگا۔ البتہ جب وہ مر جائے گا تو اُس کی لاش کی حرارت ماحول کی حرارت کے مطابق ہو گی۔ گویا انسان کا ٹمپریچر زندگی پر منحصر ہے، قدرت نے اُس کے لئے کئی ایسے سامان مہیا کر دئے ہیں جو اس کا درجۂ حرارت معتدل رکھتے ہیں۔ بہت سردی میں کھال سکڑتی ہے اور خون کی ایک کثیر مقدار کو سطح پر جانے اور ٹھنڈا ہو جانے سے روکتی ہے۔ گرمیوں میں جسم کے مساوات کھل جاتے ہیں، پسینہ باہر نکلتا ہے، بخارات اُٹھتے ہیں اور ان چیزوں سے بدن میں ٹھنڈک پہونچتی ہے۔ ہمارے بدن میں جو گرمی ہے وہ جلنے (COMBUSTION) کی وجہ سے قایم رہتی ہے مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ فطرت نے گرمی کی جو اوسط مقدار ہمارے بدن میں رکھی ہے وہ کس لحاظ سے ہے۔ غالباً اس کے جواب میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اتنی ہی گرمی مناسب تھی۔

کیا تم اپنا دماغ خود دیکھ سکتے ہو؟

اگر کوئی آدمی اپنا دماغ دیکھنا چاہے تو وہ ایک بند کمرہ میں ایک سیاہ کپڑے اور ایک موم بتی کی

مدد سے عملی تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے۔

تجربہ شروع کرنے والے کو سب سے پہلے ۳ مربع فٹ سیاہ کپڑا لینا چاہئے جو بالکل صاف، چکنا ہو اور اس میں لکیریں نہ پڑی ہوں۔ کمرہ میں بالکل اندھیرا ہو اور ایک موم بتی بھی موجود رہے۔ اس کپڑے کو دیوار پر اس طرح لٹکانا چاہئے کہ اس کا نیچے والا کنارہ تجربہ کرنے والے کی آنکھوں کے برابر ہو (خواہ وہ کھڑا ہو یا بیٹھا) اس کے بعد اس شخص کو سیاہ کپڑے سے ۳ فٹ کے فاصلہ پر آجانا چاہئے اور پھر اپنا سر متوازی رکھتے ہوئے اور ٹھوڑی نیچے کر کے اُسے اپنی آنکھوں کو ۴۵ ڈگری اوپر اٹھانا چاہئے تاکہ اسکی نظریں سیاہ کپڑے کے بالکل وسط پر پڑیں۔ ٹھیک اسی حالت میں ایک روشن شمع اُس کی ناک سے ۶ انچ کے فاصلہ پر رکھی جائے اس کے بعد شمع کو اس کے چہرہ کے دونوں رخوں کی طرف (دائیں بائیں) آہستہ آہستہ حرکت دی جائے اور ہر حرکت میں ۲ سکنڈ صرف کئے جائیں۔ اور اس حرکت کا طول آٹھ انچ کے قریب ہونا چاہئے۔ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس حرکت کے دوران میں شمع کے شعلہ میں نہ ہوا لگنے پائے اور نہ سانس، بلکہ اُس شعلہ کو برابر جلنا چاہئے۔

اگر یہ تجربہ بہت ہوشیاری سے کیا جائے اور سر اپنی جگہ پر نیچے اور نظریں اُٹھی رہیں تو تجربہ کرنے والے کو یہ نظر آنا شروع ہو گا کہ اُس کے سامنے فضا میں اُس کے دماغ کا نقشہ کھنچ رہا ہے۔ اُسے درخت کی ٹہنی کی طرح اُس شکل میں لاتعداد چھوٹی چھوٹی رگیں دکھائی پڑے گی۔ یہ رگیں عام طور سے کالی ہوتی ہیں اور غیر مساوی طور پر ہر طرف پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ بہرحال جب آنکھوں کے سامنے یہ شکل بننے لگے تو تجربہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی نظریں اُسی پر جمائے رہے اور نظر ہلنے نہ پائے یہ سیاہ منتشر جال دراصل مشتمل ہوتا ہے خون کی نالیوں پر، یہ خیال رہے کہ اس شکل کو صرف تجربہ کرنے والا ہی دیکھ سکتا ہے۔ کمرہ میں جو لوگ اور ہونگے وہ نہ دیکھ پائیں گے البتہ اگر کوئی دوسرا یہی کام کرے تو وہ بھی اس شکل کو دیکھ سکتا ہے۔

دراصل یہ محض فریب نظر ہے۔ فضا میں کسی چیز کا وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف ایک واہمہ اور تخیل ہوتا ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ اس کی شکل آنکھوں اور دماغ کے اندرونی شکل کی طرح ہوتی ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جو شکل دیکھی جاتی ہے وہ دماغ نہیں ہے بلکہ آنکھوں کا اندرونی پردہ ہے، بہرحال یہ کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ دماغ کی تہوں کی طرح ایک شکل ضرور سامنے آجاتی ہے۔

طیارچیوں پر کیا گزرتی ہے؟

قدرت نے انسان کو مثل چڑیوں کے قوت پرواز نہیں عطا کی ہے اسی لئے جب انسان یکایک

بلندی پر پہونچ جاتا ہے تو اُسے عجیب وغریب باتیں پیش آتی ہیں شدید سردی کی وجہ سے وہ بے حس ہوجاتا ہے اور بلندی پر ہوا کے ہلکے ہوجانے کی وجہ سے وہ مجبور ہوتا ہے کہ خارجی آکسیجن حاصل کرے قصہ مختصر یہ کہ ایسے مقامات پر پہونچکر اکثر انسان کی عقل گم ہوجاتی ہے، اعصابی حس معطل ہوجاتا ہے، سر میں چکر معلوم ہوتا ہے اور بعض اوقات انسان بے ہوش بھی ہوجاتا ہے۔ بہر حال ہوا میں پرواز کرنے والے کے جسم اور دماغ میں جو تغیرات ہوتے ہیں ان کا حال ہی میں تجربہ کیا گیا ہے اور اس کے بہت دلچسپ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

خون کے اندر معمولی حالت میں فی مکعب سرخ قسم کے پچاس ہزار ذرات ہوتے ہیں۔ زیادہ بلندی پر یہ تعداد بہت زاید ہوجاتی ہے اور سفید ذرات کی تعداد زیادہ نہیں بڑھتی۔ پرواز کے دوران میں سانس لیتے وقت جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ زیادہ قابلِ توجہ ہیں۔ سانس کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہے اور بہت بلندی پر جاکر یہ ناکافی ثابت ہوتی ہے اور دم گھٹنے لگتا ہے۔ رگوں کی قوت کم ہوجاتی ہے اور زیادہ بلندی پر کام کرنے سے عموماً تھکن پیدا ہوجاتی ہے اور کاہلی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ کام کرنا بہت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے قوت سامعہ میں فرق آجاتا ہے، کانوں میں کھٹ کھٹ کی آواز سُنائی دیتی ہے، قوت باصرہ میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور قوت احساس میں کمی آجاتی ہے۔

کوہ ایورسٹ کی چوٹی پر پہونچنے کی سعی کے دوران میں اِن تغیرات کا مزید تجربہ کیا گیا تھا اور ہر صورت میں یہ معلوم کیا گیا کہ ان رگوں میں جن سے خون جاتا ہے آکسیجن کی مقدار بہ مقابلہ سطح سمندر کے کم ہوجاتی ہے۔ سمندری سطح پر خون کی نالیوں میں ۹۵ سے ۱۰۰ فیصدی تک آکسیجن کا اجتماع ہوتا ہے لیکن ۱۴۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ۸۰ سے لیکر ۹۰ فیصدی تک رہجاتا ہے۔

یہ مختلف اثرات، اکثر لوگوں میں وہ بیماریاں پیدا کرتے ہیں جن کو ہوائی جہاز یا غبارہ کی بیماریاں کہا جاتا ہے اور جو پہاڑی بیماریوں کی ہم پلّہ شمار کی جاسکتی ہیں۔ ان بیماریوں میں سانس لینا دشوار ہوجاتا ہے زبان کا مزہ بگڑ جاتا ہے اور رگوں میں جمود پیدا ہوجاتا ہے۔ اور درد سر و غنودگی طاری رہتی ہے۔

ہوائی جہازوں کی تازہ ترین ساخت میں ان باتوں کا خیال رکھا گیا ہے کہ پرواز کے دوران میں جو سخت امراض لاحق ہوجاتے ہیں وہ نہ ہونے پائیں چنانچہ معمولی پرواز میں جہاز کو بہت زیادہ بلندی پر نہیں لیجایا جاتا پھر بھی زیادہ بلندی پر پہونچکر جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ طبی رو سے یقیناً دلچسپ ہیں۔

دُمدار ستارہ

دنیائے سائنس کے لئے کسی جدید دمدار ستارہ کا انکشاف ہمیشہ باعث دلچسپی رہتا ہے۔ حال ہی میں پروفیسر باڈی (PROF. BADDE) آف ہمبرگ نے اعلان کیا تھا کہ انھوں نے (CYGNUS) ستاروں کے جھنڈ میں ایک نیا دمدار ستارہ کا وجود دریافت کیا ہے۔ یہ ستارہ بہت دھندلا ہے اور دوربین کی مدد کے بغیر نہیں دکھائی دیتا مگر اس کی روشنی میں ترقی ہو رہی ہے اور وہ جب سے دریافت ہوا ہے اُس وقت سے لیکر اسوقت تک اُس کے قد و قامت میں برابر ترقی ہو رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ستارہ بھی نظام شمسی کے قریب جلد پہونچ جائے گا۔

دُمدار ستاروں کی تیزی رفتار کا سوال قابل توجہ ہے۔ ان میں سے اکثر ستارے فی گھنٹہ دس لاکھ میل کی رفتار سے چلتے ہیں۔ بعض صدہا برس کے بعد ایک مرتبہ دکھائی پڑ جاتے ہیں مگر موجودہ سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ وہ صدیوں برس پہلے سے یہ بتا سکتی ہے کہ ایک خاص دمدار ستارہ اب کب، کس دن اور کس گھنٹہ میں نمودار ہوگا۔

دمدار ستارہ کے عموماً تین حصہ ہوتے ہیں :۔ (۱) سر (NUCLEUS) (۲) جو (COMA) کے گرد رہتا ہے (۳) دُم (TAIL)۔ (NUCLEUS) اس کا خاص روشن حصہ (COMA غلاف کی طرح ہوتا ہے جس سے (NUCLEUS) ڈھک جاتا ہے۔ دُم مشتمل ہے چمکتی ہوئی گیس پر جو بعض اوقات کروروں میل تک چمک دکھاتی ہے۔

سویڈن کے پروفیسر ارہنس (ARRHENIUS) نے دُمدار ستاروں کی بابت ایک دلچسپ حقیقت دریافت کی ہے۔ عرصہ ہوا یہ دیکھا گیا تھا کہ دُمدار ستارہ کی دُم بالعموم آفتاب کے رخ کی طرف سے ہٹ جاتی ہے یعنی جب ستارہ آسمان پر چلتا ہوتا ہے تو اُس کی دُم اس طرح گھومتی ہے کہ وہ ستارہ ہمیشہ آفتاب کی سمت سے الگ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب سے جو شعاعیں نکلتی رہتی ہیں وہ ایک خاص دباؤ ڈالتی ہیں اور یہ دباؤ دمدار ستارہ کی دم کے گیس والے اجزا کو اُس سے دور ہٹا دیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ستارہ کی دم سورج سے الگ جا رہی ہے۔

دُمدار ستارے بیضاوی طریقہ سے سفر کرتے ہیں۔ وہ خلا کی گہرائیوں سے آفتاب تک آتے ہیں اور اس دوران میں ان کی رفتار بہت تیز رہتی ہے، پھر جب وہ آفتاب کے قریب پہونچتے ہیں تو اپنی دُم

پھیر دیتے ہیں اور جہاں سے وہ نکلے تھے وہیں پھر چلے جاتے ہیں۔ دُمدار ستارہ کے راستہ کا خم معلوم کرکے پتہ لگایا جاتا ہے کہ ستارہ کی رفتار کیا رہی ہے اور اسی حساب سے وہ اُن کی آیندہ آمد کی تاریخ بھی بتا دیتے ہیں۔

ان دُمدار ستاروں سے ہم کو عمر انسانی کی کوتاہی کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے بعض دُمدار ستارے کئی ہزار برس کے بعد واپس آتے ہیں۔ چند برس گزرے اسی قسم کا ایک ستارہ دکھائی پڑا تھا۔ اس سے قبل روم و یونان کی تہذیب سے پہلے، اور اہرام مصر بننے کے قبل وہ نظر آیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ طویل مدت ہزاروں قوموں کا عروج وزوال، کروروں لڑائیاں، عجیب وغریب انقلابات زمانہ دیکھ چکی ہوگی مگر فضائے بسیط میں یہ عرصہ دراز دُمدار ستارہ کا محض ایک چکر ہے!

کیا مریخ پر کوئی آبادی ہے؟

'چاند' کے بعد 'مریخ' ہمارا سب سے قریبی ہمسایہ ہے اور یہ جاننا ہمارے لئے یقیناً باعث دلچسپی ہوگا کہ اُس میں کوئی آبادی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر اُس میں کوئی آبادی ہوئی تو بہت ممکن ہے کہ لاسلکی کی ایجاد کے بعد ہم مریخ کے بسنے والوں سے گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رکھ سکیں۔

مریخ کی "نہروں" پر کافی عرصہ تک مباحثہ رہا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہاں موسم سرما کے دوران میں قطبین پر برف کے کھیت جم جاتے ہیں۔ اور گرمی میں پگھلتے ہیں چونکہ مریخ میں پانی کی قلت بتائی جاتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ آب پاشی کرنے کے لئے مریخ والوں نے بڑی بڑی نہریں بنائی ہیں جو برفاب کے اس ذخیرہ کو ان کی دنیا کی سطح تک پہونچا دیتی ہیں۔ اور اس طرح مریخ والے اس پانی سے اپنے آپ کو فائدہ پہونچاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ جو چیز دکھائی پڑتی ہے وہ نہریں نہیں ہیں بلکہ ترکاریوں کے بڑے بڑے قطعات ہیں جو ان نہروں کے دونوں طرف واقع ہیں لیکن اکثر ماہرین فلکیات اس نقطہ سے اختلاف رکھتے ہیں بعض تو کہتے ہیں کہ ہم یہ سب چیزیں مطلق دیکھ ہی نہیں سکے ہیں۔

بہرحال یہ سوال کہ آیا ہماری طرح جاندار لوگ مریخ کی سطح پر رہتے ہیں اس جستجو کا محرک ہوا ہے کہ وہاں پر کسی قسم کی زندگی ممکن بھی ہے یا نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے لئے پانی، حرارت، اور ایک خاص قسم کی فضا کی ضرورت ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ چیزیں مریخ میں موجود ہیں یا نہیں۔

سب سے پہلے حرارت، کا مسئلہ لیجئے۔ زندگی صرف چند حدود کے درمیان منحصر ہے اور یہ حدود پانی

کے نقطۂ انجماد و نقطۂ حارہ ہیں۔ زمین کا اوسط درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے بہت زیادہ اوپر ہے۔ اور مریخ میں اس سے بہت کم۔ نیز گرمی کے زمانہ میں بھی سب سے زیادہ حرارت جو ہوتی ہے وہ بھی نقطۂ انجماد (FREEZING POINT) سے کچھ ہی اوپر ہوتی ہے۔ اس لئے اگر مریخ کے باشندے اپنی طویل سردی کی مدت میں اپنے آپ کو گرم رکھنا جانتے ہیں تو وہ اس کی سطح پر ضرور رہ سکتے ہیں۔

مریخ پر پانی بہت ہی کم ہے۔ اور چونکہ وہ ہماری زمین کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہے اس لئے وہ زیادہ خشک ہوگیا ہے اور اسی لئے یہ "نہریں" (اگر واقعی ان کا کوئی وجود ہے) بنائی گئی ہیں۔ مریخ کی سطح پر بہت بڑے بڑے ریگستانی صحرا ہیں جن کی وجہ سے مریخ کا رنگ سُرخ نظر آتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اگر پانی کے استعمال میں وہاں کفایت کی جائے تو زندگی کے لئے کافی ہو۔

بہرحال مریخ میں زندگی کا امکان ضرور ہے اور چونکہ قدرت ہر امکان کو بیکار جانے نہیں دیتی اس لئے وہاں آبادی ہونا چاہئے۔

زلزلہ کیا ہے

تمام مظاہر فطرت میں، زلزلہ ہی وہ چیز ہے جس سے انسان کی حد درجہ لاچاری اور بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔ عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ زمین کے سخت چھلکے میں کچھ خفیف تغیرات ہونے کی وجہ سے زلزلہ آجاتا ہے زمین برابر سکڑ رہی ہے اور جب وہ سکڑتی ہے تو کرۂ ارض کے پانی اور خشکی کے قطعات میں تغیرات ہوتے ہیں جب سمندر میں زلزلہ آتا ہے تو ہم کو بہت کم معلوم ہوتا ہے لیکن خشکی کے زلزلے چونکہ بہت زیادہ تباہی اور بربادی اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اس لئے ان کا علم ہم کو حاصل ہو جاتا ہے۔

کرۂ ارض کے بعض حصے اکثر زلزلہ کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً جاپان اور مغربی و جنوبی امریکہ میں زلزلے کے جھٹکے زمین پر مختلف رفتار سے پڑتے ہیں اور اس رفتار کو ایک آلہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے جسکو "سیسموگراف" (SIESMOGRAPH) کہتے ہیں۔ بعض وقت یہ جھٹکے ہلکے ہوتے ہیں اور ایک محدود رقبہ تک محسوس کئے جاتے ہیں اور بعض وقت وہ بہت سخت ہوتے ہیں اور تمام زمین کی سطح سے گزرتے ہیں۔

خشکی کے زلزلے جو ساحل سمندر کے کنارے آتے ہیں یا سمندری زلزلہ جو ساحل کے قریب آتے ہیں سب سے زیادہ تباہ کن ہوتے ہیں اور ان زلزلوں کے بعد نہایت زبردست جوار بھاٹے کی لہریں اُٹھتی ہیں ۱۸۹۹ء میں الاسکا میں ایک زلزلہ آیا جس میں ہر چند منٹ کے بعد لہریں ۸۰ ۔ ۸۰ فٹ تک چڑھ جاتی تھیں

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سطح سمندر سے ۴۰ فٹ اوپر تک تباہکاریوں کا سلسلہ پہونچ گیا۔
۱۸۳۵ء میں ساحل چیلین (CHILEAN) میں ایسا زبردست زلزلہ آیا کہ سمندر خلیج سے ہٹ گیا اور سطح سمندر کے تقریباً ۵ فٹ تک کے بالو کے کنارے دکھائی پڑنے لگے۔ اس کے بعد ایک لہر پانی کی سب سے اونچے نشان سے بھی ۳۰ فٹ زیادہ اونچی آئی اور اپنے ساتھ سب کچھ بہالے گئی۔ اس کے بعد اسی طرح برابر لہریں اٹھتی رہیں جو ایک دوسرے سے زیادہ اونچی ہوتی تھیں اور یہ حالت تین دن تک قائم رہی، یہ جھٹکے ۶ ہزار میل کے فاصلہ تک معلوم ہوئے تھے، وسط بحر الکاہل میں ان کی وجہ سے زبردست سیلاب آگئے تھے اور تمام سمندر اپنی تہ میں تھرا رہا تھا۔
واشنگٹن کے ادارہ کارنیگی (CARNEGIE INSTITUTION) نے ساحل چیلین میں اس طرح کے زلزلہ آنے کے وجوہات دریافت کرنے کے لئے باقاعدہ تحقیقات شروع کی تھی اور مغربی ساحل امریکہ کے سمندر کی تہ کا نقشہ مرتب کرنے کے لئے دو جہازوں کو تازہ ترین آلات مہیا کرکے اس کام پر مامور کیا تھا۔

کیا قوت کشش کا راز منکشف ہوگیا ہے؟

قوت کشش، تمام قوتوں سے زیادہ پراسرار سمجھی گئی ہے۔ وہ خلا کے کروروں میل کے رقبہ میں اپنا اثر دکھاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان مادی ذرات کو مجتمع کئے ہوئے ہے جو اتنے چھوٹے ہیں کہ ایک سوئی کی نوک پر اربوں کی تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں۔
ابھی تک ایسا کوئی مادہ دریافت نہیں ہوا ہے جو قوت کشش کو روک سکے۔ بیچ میں ایک پردہ حایل کردینے سے انسان گرمی یا روشنی کو روک سکتا ہے مگر قوت کشش کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا۔ مثلاً شیشہ سے روشنی گزر سکتی ہے مگر بجلی نہیں جاسکتی۔ لوہے کی ایک چادر روشنی کو روک سکتی ہے مگر بجلی اس سے گزر سکتی ہے، لیکن قوت کشش کو روکنے کے لئے کوئی پردہ کام نہیں دے سکتا۔
قوت کشش کا اصلی راز ابھی تک نہیں ظاہر ہو سکا ہے، اس کے بارہ میں مختلف نظریات پیش کئے جاچکے ہیں مگر سب پر اعتراض کئے گئے۔ کچھ عرصہ ہوا کیلیفورنیا کے پروفیسر ٹی۔ جے۔ جے سی J.J.SEE نے ایک جدید نظریہ پیش کرکے دعویٰ کیا تھا کہ انھوں نے قوت کشش کا راز معلوم کرلیا ہے۔
وہ نظریہ یہ ہے کہ قوت کشش مشتق ہے بجلی اور مقناطیسی لہروں کے ایک خاص سلسلہ پر، یہ لہریں گرمی اور روشنی کی لہروں سے زیادہ بڑی ہوتی ہیں مگر مقناطیس سے ان کا نزدیکی تعلق ہے۔ خلا میں ان

لہروں کی رفتار بھی، روشنی کی لہروں کی رفتار کے برابر ہے یعنی فی سکنڈ ۱۸۶۰۰۰ میل فی گھنٹہ۔ یہ لہریں ایک مادی شے کے چاروں طرف سے نکلتی رہتی ہیں۔

اب پروفیسر موصوف کا نظریہ یہ ہے کہ یہ لہریں ایک دوسرے میں ملی ہوئی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں۔ اس طرح اجرام فلکی، ان ملی ہوئی لہروں کی بدولت ایک دوسرے کی طرف کھنچ جاتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ہماری زمین پر شمالی اور جنوبی قطب میں مقناطیسی طاقت برابر کی نہیں ہے۔ یعنی نصف کرۂ جنوبی میں قوت مقناطیسی بہ نسبت نصف کرۂ شمالی کے بہت زیادہ ہے۔

بغیر گرمی کی روشنی

یہ چیز ہر شخص کو معلوم ہے کہ آدمی کی پیدا کی ہوئی کوئی روشنی ہو، وہ اپنے جوہر کی ایک کافی مقدار گرمی پیدا کرنے میں خرچ کر دیتی ہے۔ یہ حال بجلی کی روشنی میں بھی پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ جب کرنٹ جاری رہتا ہے تو بلب بھی گرم ہو جاتا ہے مگر فطرت ایسی روشنی پیدا کرتی ہے جو تمام روشنیوں کے برابر ہوتی ہے مگر پھر بھی اُنمیں گرمی نہیں پائی جاتی۔ سائنس میں اس روشنی کو "سرد روشنی" کہتے ہیں اور یہ روشنی جگنو اور بعض مچھلیوں سے نکلتی ہے۔

حال میں اس سرد روشنی کے متعلق تحقیقات ہونا شروع ہوئی ہے کیونکہ اگر اس کا راز معلوم ہو جائے تو تجارتی نقطۂ نظر سے بہت فایدہ ہو۔ چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سائنس دانوں نے ان کیڑوں کی تحقیقات بھی شروع کی ہے جو سرد روشنی پہونچاتے ہیں اور اس تحقیقات سے بہت کچھ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ فلاڈلفیا کے ایک پروفیسر ڈاکٹر ای نیوٹن ہاروے نے ایک کانفرنس میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ جگنو کی سرد روشنی، ہوا کی آکسیجن اور ایک خاص مادہ سے ملکر پیدا ہوتی ہے۔ یہ مادہ بعض خاص غدود سے پیدا ہوتا ہے جنھیں فطرت نے اسی کام کے لئے بنایا ہے۔ یہ درحقیقت چھوٹی چھوٹی لالٹینیں ہیں جن میں خاص قسم کے شعاعیں پھینکنے والے شیشے ہوتے ہیں مگر جگنو میں درحقیقت اس قسم کا کوئی ایسا شیشہ نہیں ہے جو شعاعیں پھینک سکے۔

جگنو کی روشنی چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے پیدا ہوتی ہے جن کے آگے ECTOPLASM (ایک قسم کا زندہ مادہ) پایا جاتا ہے۔ اس روشنی کے لئے ہوا اور پانی کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

کیڑوں کی یہ روشنی خطرہ کا نشان بھی ہے تاکہ دوسرے کیڑے اُس کو آکر کھا نہ جائیں، نیز ایک فائدہ یہ

کہ ان کیڑوں کے جوڑے ایک دوسرے کو پہچان کر قریب آجاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اس روشنی سے کیڑوں کی راہ پرواز متعین ہوجاتی ہے۔ بہرحال اگر اس سر روشنی کا راز منکشف ہوجائے تو سال میں کروڑوں روپیہ کا فایدہ ہر ملک کو ہوسکتا ہے۔

نظریہ "اضافیت" (RELATIVITY)

پروفیسر انشٹین (PROF. EINSTEIN) کا نظریہ "اضافیت" (RELATIVITY) بہت مشہور چیز ہوچکی ہے لیکن چونکہ اس کی حقیقت کم لوگ جانتے ہیں اس لئے اس کی تشریح دلچسپ ہوگی۔

اگر تم کسی بچہ کو امرود یا کسی پھل وغیرہ کی ایک قاش دو تو ممکن ہے کہ وہ اُس قاش کو ایک "بڑی" قاش سمجھ لے لیکن جب کسی دوسرے بچہ کو اُسی کے سامنے پہلی قاش سے زیادہ بڑی قاش دیدیگے تو وہ فوراً سمجھ لیگا کہ میری قاش چھوٹی ہے یعنی "نسبتاً" دوسری قاش کے مقابلہ میں پہلی چھوٹی معلوم ہوگی۔

پروفیسر انشٹین نے یہ بتایا ہے کہ ہماری دنیا میں "حرکت" کا احساس بالکل اضافی و نسبتی چیز ہے یعنی اُس کی رفتار کسی قائم نقطہ سے نہیں ناپی جاسکتی کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی مستقل نقطہ ہی نہیں جہاں سے اُسے ناپا جاسکے۔ ہماری زمین جس پر ہم رہتے ہیں خود اپنے محور پر گھومتی ہے اور یہ "محور" ارتعاش کرتا رہتا ہے علاوہ بریں زمین سورج کے گرد بھی تقریباً ۱۸ میل فی سکنڈ کے حساب سے چکر لگاتی رہتی ہے اور یہ تمام نظام شمسی خلا میں ایک لامعلوم رفتار سے چکر لگاتا ہے۔

فرض کرو ایک آدمی ہے جو ایک متحرک جہاز پر تختہ کے اوپر نیچے چڑھ رہا ہے، پھر وہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرتا ہے جو ایک دوسرے جہاز پر (جو مخالف سمت جارہا ہے) اسی طرح اوپر نیچے اُترتا چڑھتا ہو تو ظاہر ہے کہ ہم کو اس حالت میں ایسا کوئی مستقل نقطہ نہ ملیگا جہاں سے کچھ ناپا جاسکے۔

اس لئے پہلی بات یہ ہوئی کہ تمام حرکت صرف حرکت نسبتی ہے۔ انشٹین نے یہ بھی ثابت کیا کہ مختلف اجسام پر جو مختلف رفتار سے حرکت کررہے ہوں وقت یکساں نہیں گزرتا یعنی کسی ایسی چیز پر جو بہت تیزی سے حرکت کررہی ہو ایک گھنٹہ کا اتنا ہی وقت نہیں ہوتا جتنا ایک سست رفتار چیز کے گھنٹہ کا۔ گویا وقت بھی حرکت کی طرح صرف "نسبتی" چیز ہے۔

اس نظریہ کی وجہ سے فلکیات کے بعض ایسے مسائل بھی حل ہوگئے ہیں جو پہلے سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ کئی برس ہوئے ایک تجربہ کیا گیا تھا جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ ایک ستارہ سے آتی ہوئی روشنی

کی شعاع سورج کی قوت کشش کی وجہ سے دب گئی ہے۔

وہ تجربہ یوں ہوا تھا۔ جب سورج آسمان پر موجود نہ تھا تو آسمان کا ایک نقشہ اُتارا گیا اور یہ معلوم کیا گیا کہ بعض ستاروں کی بعض خاص جگہیں ہیں۔ اس کے بعد جب ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو پھر آسمان کی تصویر کھینچی گئی اور دونوں نقوش کو ملایا گیا ان سے معلوم ہوا کہ پہلے نقشہ میں جن ستاروں کی تصاویر لی گئی تھیں ان کی جگہیں دوسرے نقشہ کی جگہوں سے مطابقت نہیں کرتیں۔ اس سے یہ ثابت کیا گیا کہ جو روشنی ان ستاروں سے آرہی تھی وہ سورج کی کشش کی وجہ سے دب گئی تھی۔

چوتھا بُعد کیا ہے؟

دُنیا میں تین ابعاد ہیں یعنی طول، عرض اور اونچائی۔ کسی دئے ہوئے نقطہ سے ایک لکیر کھینچی جائے تو وہ "طول" ہوگا۔ کسی چپٹی سطح پر اس لکیر کے زاویۂ قائمہ بنائے جائیں تو مربع بن جائے گا یعنی طول کے ساتھ عرض بھی ہو جائے گا۔ اس مربع کے زاویۂ قائمہ بنائے جائیں تو مکعب کی شکل ہو جائے گی جس میں اونچائی بھی علاوہ طول و عرض کے ہوگی۔ اصولاً اب اس مکعب کے بھی زاویۂ قائمہ بنائے جا سکتے ہیں اور نئی شکل چوتھا بعد رکھنے والی شکل ہو سکتی ہے۔

کوئی نقطہ لو تو ایک دوسرے پر زاویۂ قائمہ بناتی ہوئی دو لکیریں اس نقطہ سے کھینچی جا سکتی ہیں لیکن اگر اسی نقطہ پر ایک تیسری لکیر کھینچنا ہو جو پہلی دونوں لکیروں پر زاویۂ قائمہ بناتی ہو تو اُسے خود کاغذ پر زاویۂ قائمہ بناتے ہوئے کھینچنا پڑے گا گویا وہ ہوا میں کھڑا ہوا ہے۔ اب اسی نقطہ پر اور ان تینوں لکیروں پر زاویۂ قائمہ بناتے ہوئے چوتھی لکیر کیسے کھینچی جا سکتی ہے۔ یہ چیز چوتھا بُعد ہوگی۔

ایک نظریہ کی حیثیت سے یہ بُعد ممکن ہے اور اقلیدس کی چار جسامتیں رکھنے والی شکلوں کے متعلق بہت کچھ لوگوں کو علم ہے۔ ڈاکٹر مانگ (DR. MANNING) نے اس موضوع پر ایک پوری کتاب لکھی ہے۔ لیکن ہمارے لئے اپنے دماغ میں اس بُعد کی شکل متعین کرنا تقریباً ناممکن ہے البتہ اسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً داہنے ہاتھ کا دستانہ بائیں ہاتھ میں نہیں آسکتا لیکن اگر اُسے اندر سے اُلٹ دیا جائے تو آجائیگا اسی طرح یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ربڑ کا گیند اندر سے الٹ کر چوتھا بُعد بنایا جا سکتا ہے۔

کسی دھاگے میں دو رخ سے گرہ نہیں بندھ سکتی۔ ایک سرے کو دوسرے سرے پر تیسرے رخ

میں اُٹھانا پڑے گا۔ اور ہمارے سہ رخی خلا میں یہ ناممکن ہے کہ ایسے تاگے میں گرہ باندھی جائے جس کے دونوں سرے پکڑ لئے گئے ہوں۔ لیکن پروفیسر زولنر (ZOLLNER) نے ایسی گرہیں لگائیں اور اسی وجہ سے اُن کو چوتھے بعد کا یقین آگیا تھا۔

آنشٹین کی رائے ہے کہ وقت، چوتھا بعد ہے مگر حقیقتاً وقت کوئی جسامت نہیں رکھتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "غیب دانی" اسی چوتھے بُعد سے متعلق ہے۔ مثلاً ایک صندوقچہ ہے جس میں انگوٹھیاں رکھی ہیں۔ اب جب تک تمھاری آنکھوں کی سطح کے برابر صندوقچہ رکھا ہے تم ان انگوٹھیوں کو نہیں دیکھ سکتے ہو لیکن اگر تم آنکھیں اُٹھاؤ یا صندوقچہ کو نیچا کرکے اوپر سے اُسے دیکھو تو اندر کی انگوٹھیاں تم کو نظر آئیں گی۔ یعنی تیسرے بُعد کی مدد سے تم وہ چیز دیکھ سکے جو اس سے قبل تم نہ دیکھ سکتے تھے۔ اسی طرح چوتھے بُعد کی مدد سے "بند" کمرہ یا "بند" صندوقچہ کی چیز بھی ہم دیکھ سکتے ہیں، اور اسی کا نام لوگوں نے "غیب دانی" رکھا ہے۔

برف کا پانی کس طرح گرم کیا جائے کہ برف نہ پگھلے

بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر دراصل یہ حقیقت ہے اور ایسا ہوسکتا ہے۔ اگر مل سکے تو بازار سے ایک (BUNSEN BURNER) اور چند فٹ ربڑ کا ٹیوب لاؤ۔ (BUNSEN BURNER) ایک قسم کی گیس آلود ٹونٹی ہوتی ہے جس میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے ہوا کی ایک خاص مقدار اندر آکر گیس سے مل جاتی ہے جب کہ وہ جلتی ہوتی ہے۔ اس طرح سے گیس کے چولھے کی طرح ایک چھوٹا، نیلا سا گیس کا شعلہ بن جاتا ہے جو گرم اور نیلا ہوتا ہے۔ اب اُس گیس کے ٹیوب کو اس گیس سے لگا کر جلاؤ۔

ایک (TEST TUBEO) (امتحانی ٹیوب) تقریباً آٹھ انچ لانبا اور نصف انچ چوڑا بھی تمھارے پاس ہونا چاہئے۔ برف کا ایک ٹکڑا نصف انچ چوڑا اور ٹیوب میں آجانے کے قابل لانبا بھی لاؤ۔ کچھ چھوٹی چھوٹی گولیاں بھی ہوں اور (TEST TUBES) کو پکڑنے کے لئے ایک ہینڈل بھی رکھ لو۔

اب اس برف کو ٹیوب میں رکھ دو اور گولیوں کو اُس پر چھوڑ دو۔ پھر اُسے ٹھنڈے پانی سے بھر دو۔ یہ گولیاں برف کو ٹیوب کی تہ میں ہی رکھیں گی اور اُسے پانی کے اوپر نہ آنے دیں گی۔ اس کے بعد (T. TUBES) کو ۴۵ ڈگری زاویہ سے گیس کے شعلہ پر ہینڈل کے ذریعہ سے اس طرح رکھو کہ شعلہ پانی کی سطح سے ایک انچ نیچے ٹیوب کے کنارے پر لگے۔ ٹیوب کی تہ کو جہاں برف رکھی ہے نہ گرم کرو۔ بہتر ہے

کہ شیشہ کو ٹوٹ جانے سے بچانے کے لئے ٹیوب کو شعلہ کے پاس کئی مرتبہ آہستہ آہستہ لیجاؤ۔

اگر اس طرح سے عمل کیا جائے تو تم دیکھو گے کہ پانی کا اوپری حصہ بالکل گرم ہو گیا ہے حتیٰ کہ اُس میں سے بھاپ نکل رہی ہے اور نیچے کا حصہ اُسی طرح ہے اور اگر پانی انڈیلو تو برف اُسی طرح صحیح سالم نکل آئیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹھوس چیزیں (CONDUCTION) کی وجہ سے گرم ہو جاتی ہیں اور رقیق چیز (CONVECTION) سے گرم ہوتی ہیں۔ (CONDUCTION یعنی ایک چیز کا دوسری چیز کو اپنی گرمی منتقل کرنا۔ CONVECTION یعنی رقیق چیزوں کا دورہ) اس صورت میں اُس جگہ سے نیچے جہاں گرمی پہونچائی گئی تھی کوئی دورہ ہوتا ہی نہیں اور اس لئے ٹیوب کے نیچے کا حصہ ٹھنڈے کا ٹھنڈا رہتا ہے۔

زندگی معلوم کرنے کا ایک نیا امتحان

ایک نئی ترکیب کی ایجاد سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک درخت، پودہ، پتی یا بیج میں جان ہے یا نہیں زندگی کی دو علامتیں ہیں۔ ایک ہنگامۂ برقی (ELECTRIC DISTURBANCE) اور دوسری علامت کیمیاوی (CHEMICAL SIGN) موخرالذکر کی ایجاد پروفیسر لٹشٹیر وِنے کی ہے۔ پروفیسر موصوف کے مطابق یہ علامت، CARBON DIOXIDE (کاربن ڈائکسائڈ) کا نتیجہ ہے جو ہر جانور میں پایا جاتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے ایک آلہ بھی ایجاد کیا ہے جس سے یہ کاربن ڈائکسائڈ معلوم ہو سکتا ہے۔۔ اس آلہ کا نام انھوں نے بایومیٹر BIOMETER رکھا ہے کیونکہ اُس سے مختلف چیزوں کی زندگی کی مقدار معلوم ہو سکتی ہے۔ اس آلہ کی مدد سے یہ دریافت کیا گیا کہ رگیں سانس لیتی ہیں یعنی وہ ہماری طرح آکسیجن لیتی ہیں اور کاربن ڈائکسائڈ پھینکتی ہیں۔ اسی طرح بیج وغیرہ بھی کرتے ہیں لیکن جب کوئی چیز مردہ ہو جاتی ہے تو پھر کاربن ڈائکسائڈ نہیں پھینک سکتی۔

انسانی ہالہ کیا چیز ہے؟

ہر شخص کے چاروں طرف ایک خاص فضا یا "ہالہ" ہوتا ہے جس سے کچھ دور تک شعاعیں نکلتی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ چیز سر کے چاروں طرف زیادہ دکھائی پڑتی ہے۔

بیرن رشن بیچ (BARON REICHENBACH) نے گزشتہ صدی کے وسط میں اس موضوع پر تحقیقات کی تھی اور ایک کتاب بھی لکھی تھی مگر اس نے شرف قبولیت نہ پایا۔ اُس کے بعد ڈاکٹر کلنر (DR. KILNER) نے اسے اچھی طرح ثابت کیا کہ ہر آدمی کے گرد ہالہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر کلنر نے سلائڈ یا پردوں کا ایک سلسلہ تیار کیا جن کی مدد سے یہ ہالہ ہر شخص کے گرد دکھائی دے سکتا ہے۔ تارکول کی قسم کی ایک چیز جسے (DICYANIN) کہتے ہیں آنکھوں کو ایسی تیلی رگیں دکھا سکتی ہے جو عام طور سے نظر نہیں آسکتیں۔ اگر ان سلائڈ کے ذریعہ سے کوئی آدمی دیکھا جائے تو اُس کا ہالہ دکھائی پڑ سکتا ہے بشرطیکہ ایک نصف اندھیرے کمرے میں سیاہ دیوار کے پیچھے اُسے کھڑا کر دیا جائے۔

اس دھندلی فضا کی تین تہیں دکھائی پڑیں۔ پہلی تہ ایک سیاہ خاکہ ہوتی ہے جسے ڈاکٹر موصوف نے 'ہمزاد آسمانی' ETHERIC DOUBLE کا نام رکھا۔ اس سے دو تین انچ کے فاصلہ پر دوسری زیادہ گہری تہ ہوتی ہے جسے "اندرونی ہالہ" کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور تہ ہوتی ہے جسے 'بیرونی ہالہ' کہا جاتا ہے۔

یہ ہالہ، مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں زیادہ بڑھتا ہے اور انسان کے وقتی تاثرات قلبی، دماغی و جسمانی کے مطابق اُس میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے۔ بدن کے کسی بیمار حصہ پر جب ہالہ آتا ہے تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اس ہالہ کی اصلیت ابھی تک پوری طرح نہیں ہو سکی ہے۔

مردہ آدمیوں کے جسم کے چاروں طرف ہالہ نہیں ہوتا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہالہ زندگی پر منحصر ہے، جتنی زیادہ قوت انسانی ہوگی اتنا ہی ہالہ جسم سے دور پھیلے گا۔ تجربات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ دونوں مقناطیسی قطب، ہالہ کو کھینچ سکتے ہیں۔ جب آدمی کے بدن میں بجلی لگائی جائے تو ہالہ غائب ہو جائے گا مگر جب کرنٹ ہٹا لیا جائے تو پہلے سے بڑا ہالہ نمودار ہوگا۔ بہرحال اس کے متعلق مزید تحقیقات جاری ہیں۔

آسکر وائلڈ کے خطوط

سارہ کے نام

یورپ کے مشہور ادیب آسکر وائلڈ نے جس کی زندگی کا انجام بہت المناک ہوا ہے، سارہ برنہارٹ (مشہور ایکٹرنس) کو جو خطوط لکھے تھے وہ اپنی انشا و ادبیت کے لحاظ سے خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ اکٹوپو مر بونے اس برطانوی شاعر اور دنیا کی اس مشہور ترین عورت کی ملاقات کا اسطرح ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ تھیٹر میں پہلے ایکٹ کے اختتام کے بعد وہ ایک (قہوہ خانہ) میں آئی، اُسوقت وہ اپنے تھیٹر کے لباس پر ایک لانبا لبادہ پہنے ہوئے تھی۔ جس قہوہ خانہ میں وہ داخل ہوئی وہاں اتفاق سے میں اور آسکر وائلڈ پہلے ہی سے موجود تھے۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر سارہ نے خادم سے کچھ طلب کیا، اُس کی آواز اتنی شیریں تھی کہ ہم دونوں بے اختیار اُسی طرف متوجہ ہوگئے جب میں نے یہ دیکھا کہ بولنے والی سارہ ہے تو میں نے اُس کا آسکر وائلڈ سے اس طرح تعارف کرایا:۔

"سارہ! میں تم سے مشہور برطانوی شاعر آسکر وائلڈ کا تعارف کرانا چاہتا ہوں" مجھے یاد ہے کہ اس موقعہ پر وائلڈ نے اُس سے یہ کہا تھا۔ "اے خاتون، آپ کی آواز میں کتنا سماوی لحن پوشیدہ ہے" اس کے بعد ہم لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے، یعنی سارہ تھیٹر کے اسٹیج پر اور ہم دونوں تھیٹر ہال میں اپنی اپنی کرسیوں پر۔

دو برس اس کے بعد جب ان دونوں میں کافی دوستی پیدا ہوگئی تو سارہ نے مجھ سے وائلڈ کی بابت اتنے اشتیاق سے باتیں کیں کہ میں نے اُس سے کہا پھر تم اُس سے شادی ہی کیوں نہیں کرلیتیں۔ اس نے جواب دیا کہ "یہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے اُس سے اس قدر محبت ہے کہ شادی کا ذکر بیکار ہے۔ جب دو محبت کرنے والوں میں شادی ہوجاتی ہے تو محبت ختم ہوجاتی ہے۔ محبت سے زیادہ دوستی پائدار شے ہے، اور محبت کرنے سے زیادہ مشکل چیز دوستی کرنا ہے۔"

سارہ کے مشیر قانونی نے لکھا ہے کہ جیسے ایک اسفنج پتھر نہیں ہوسکتا، اسی طرح آسکر وائلڈ کا دل محبت کرنے کا اہل نہ تھا۔ جیسا کہ اُس کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے وہ دنیاوی مسایل کے متعلق جو کچھ لکھتا بالکل

سارہ کی حسب منشار ہوتا تھا اور درحقیقت زندگی کے بارہ میں ان دونوں کے نظرئے تقریباً بالکل ایک تھے۔ کئی برس کے بعد سارہ نے پری برٹن کو ایک خط لکھا کہ میں "جب بھی لندن میں ہوتی ہوں آسکر وائلڈ مجھ پر بہت مہربانی کرتا ہے، وہ اتنی زبردست شخصیت کا مالک ہے کہ اگر وہ کسی سے کہدے کہ میں "آپ سے مل کر بہت خوش ہوا" تو اُس آدمی کو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا خود ملکہ نے اُس سے یہ کہا ہے کہ آپ میرے مہمان ہیں۔ جن باتوں پر اُس کا اعتقاد نہیں ہوتا انھیں نہایت خوبصورتی سے کہنے کا اُسے اسقدر ملکہ حاصل ہے کہ مجھے یہ یقین کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے کہ وہ میرے ملک کا باشندہ نہیں ہے۔"

وائلڈ اور سارہ میں عرصہ تک خط وکتابت ہوتی رہی اور سارہ نے اُس کے ہر خط کو محفوظ رکھا۔ وائلڈ کے خطوط کے بعض حصے بالکل ترجمہ کرنے کے قابل نہیں ہیں مگر جو خط وکتابت ہوئی ہے وہ عجیب وغریب انشار کا نمونہ ہے۔

وائلڈ لکھتا ہے:-

"ہمارے خیالات بھی ہم سے کس قدر مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ خوشبو کا ایک جھونکا، سڑک پر کسی پرانے دُھن کا گانا، کسی دور کی پہاڑی پر سے ہوا کا جھونکا جو اپنے دامن میں بکاین یا پکے امرودوں کی بو لئے ہوئے ہو یا ماہ اپریل کی بارش بغیر کسی اطلاع کے بھی ان میں وحشیانہ رنگ پیدا کردیگی۔"

"ایک نیک آدمی (وہ جو دنیا میں "نیک" کہلایا جانا چاہتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے خصوصاً مذہبی آدمی) وہ ہے جو ہر اُس بات پر دھیان دھرتا ہے جسے عام آدمی کہیں اور ہر اُس چیز میں مداخلت کرتا ہے جسے خوبصورت آدمی کریں۔"

"خوبصورتی کو محض سطحی چیز کہا جاتا ہے۔ گر درحقیقت ایسا ہے نہیں۔ حُسن، دنیا میں سب سے زیادہ لازوال شے ہے، یہی صرف ایک ایسی چیز ہے جس کو زمانہ کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ فلسفے کے اُصول ریگ کے ذرات کی طرح منتشر ہو جاتے ہیں، عقائد تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن جسے حُسن کہتے ہیں وہ ایک ابدی مسرت اور غیر فانی ملوکیت ہے۔"

وائلڈ نے سارہ کی ملاقات سے قبل DIVINE SARAH "قدسی سارہ" کا فقرہ اختراع کیا تھا۔ اُس نے اس فقرہ کو مشہور نقاد جولیس لمیٹر کے ایک خط میں اس طرح استعمال کیا تھا۔

"اگر میں بادشاہ ہوتا تو میں اپنی نصف سلطنت، اپنا نصف عصائے شاہی اور اپنا نصف تاج محض "قدسی سارہ" کو جاننے کے لئے بخش دیتا اور اُسے تمام دنیا سے روشناس کرا دیتا۔"

"اگر لوگ واقعی کبھی محبت کرتے ہیں تو ان میں عورتیں تو کانوں سے محبت کرتی ہیں اور مرد نظروں سے اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ عورتیں جو کچھ سنتی ہیں اُس سے مسحور ہو جاتی ہیں اور مرد جو کچھ دیکھتے ہیں اُس سے۔"

آسکر وائلڈ نے اپنی نظموں کی ایک نئی کتاب کے ایک صفحہ میں یہ لکھا تھا:-

"ان میں سے ایک نظم تمھارے نام معنون کی گئی ہے۔ تمہارا نام آج اس کو زینت دے رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ ایک دن تمہاری ملکوتی آواز کے نغموں میں ان اشعار کو سنوں گا۔"

"تاوقتیکہ ایک مصنف، نقاش بھی نہیں ہوتا، نقاشی کی صناعیوں کے پراسرار قوانین اُس کی فہم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ بظاہر متعدد آرٹ ہیں مگر در اصل آرٹ صرف ایک ہی ہے۔ نظم، تصویر، مجسمہ اور ڈرامہ، ان سب کی روح ایک ہے، جس کو ان میں سے ایک فن معلوم ہے وہ سب سے واقف ہے۔"

جب سارہ برنہارٹ کی شادی اُسی کے تھیٹر کے ایک ساتھی جیکوئس ڈیما لا سے ہونے لگی جو ایک یونانی دیوتا کی طرح خوبصورت تھا تو سارہ نے وائلڈ کو ایک خط لکھا کہ اس تقریب پر صرف چند ہی آدمی آنے والے ہیں اور ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ وائلڈ نے لکھا:-

"کیا یہ صحیح واقعہ ہے کہ تم شادی کر رہی ہو۔ میرے لئے ایک ناممکن چیز پر یقین کر لینا بالکل قدرتی بات معلوم ہوتی ہے مگر ایک بعید از امکان چیز پر مجھ کو کبھی یقین نہیں آتا میں نے سنا ہے کہ "وہ" بہت خوبصورت ہے۔ اکثر عورتیں اس لئے شادی کرتی ہیں کہ دوسری عورتیں حسد کریں مگر تم ایسا کبھی نہیں کر سکتیں۔ تم معمولی عورت سے کہیں زیادہ بلند چیز ہو۔ تھورو کہتا ہے کہ سچ کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک وہ جو سچی بات کہے اور دوسرا وہ جو اُسے سنے۔

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح تنہا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ روح کی تمام پاکیزگیاں مثلاً مختلف قسم کی قدرتیں اور زبردست جذبات وغیرہ، زندگی میں اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب دو روحیں ملتی ہیں ان کا اتحاد ہی زندہ طاقت پیدا کرتا ہے۔ اس لئے جس طرح ہر افتراق میں کوئی برائی ہوتی ہے اُسی طرح ہر حقیقی اتحاد میں ایک خوبی ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ عورت کو شادی کرنے میں مرد سے کم خطرہ ہوتا ہے۔ شادی کے بعد وہ زندگی کو زیادہ سمجھ سکتی ہے۔ شادی اسے زیادہ آزادی بخش دیتی ہے اور خواہ وہ کسی بیمار یا تندرست یا امیر یا غریب سے شادی کرے اُسے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور حاصل ہوگا۔"

عورتیں تصویر ہوتی ہیں اور مرد معمہ، اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ عورت کا واقعی کیا مطلب ہے تو اُس کی طرف دیکھو، اُس کی سنو نہیں۔

عورتیں بغیر خوبصورت ہوئے بھی دلکش ہو سکتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کی مشہور ترین عورتوں میں کوئی نہ کوئی جسمانی نقص رہا ہے۔ میڈم رولینڈ اور میڈم اینٹونٹ دونوں کے دانت نہیں تھے۔

گفتگو کا آرٹ یہ ہے کہ وہ چیز نہایت خوبصورتی سے کہی جائے جسے نہ کہنا چاہئے۔

اپنے آپ کو عورتوں میں ہر دلعزیز بنانے کا آرٹ یہ ہے کہ غیر فطری باتوں کو نہایت فطری طریقہ سے کہا جائے یعنی معمولی باتیں غیر معمولی انداز میں کہی جائیں۔ عورت کو اپنی شرمیلی ادائیں دکھانے کا موقع جتنا خوش کرتا ہے اُس سے زیادہ اور کوئی چیز اُسے خوش نہیں کرتی۔

نیک آدمی عموماً غیر دلچسپ ہوتے ہیں اور اگر وہ نیک نہیں ہوتے تو عموماً دلچسپ ہوتے ہیں انسان یا تو غیر دلچسپ ہوتے ہیں یا دلچسپ۔ دنیا میں یہی دو قسمیں ہیں۔

اگر عورت میں مرد سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے کی اہلیت پائی جاتی ہے تو اسی طرح اس میں اظہار مسرت کی بھی اہلیت ہے۔ وہ مسرت جو زیادہ پائدار اور زندگی میں زیادہ مستقل درجہ رکھتی ہے صرف عورت کے لئے مخصوص ہے۔ یہی وہ مسرت ہے جو سب سے زیادہ غیر فانی تصاویر کے چہروں پر دکھائی پڑتی ہے اور یہی وہ راز ہے جس کا کبھی انکشاف نہیں ہوا۔ یہ وہی مسکراہٹ ہے جو پرانے اطالوی مجسموں کے چہروں پر کھیلتی ہے۔ اور یہ مسرت اکثر اُس عورت کے چہرہ پر بھی دکھائی پڑتی ہے جو اُس آدمی کی اولاد کو گود میں لئے ہوتی ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔ ایک مفکر کے نزدیک موت بجائے خود شادی سے کم اہم ہوتی ہے۔ پرانا پودا اس لئے کاٹ دیا جاتا ہے کہ نئے کو پھولنے پھلنے کا موقعہ ملے زمین پر آنسوؤں کے چند قطرے گرتے ہیں اور اُس میں کلیاں نکل آتی ہیں۔ اس لحاظ سے موت صرف ایک وقفہ ہے۔ لیکن شادی، آنے والی پشتوں کی ایک طویل فہرست کھول دیتی ہے۔ بعض میں تندرستی ذکاوت اور عزت کے الفاظ لکھے ہوتے اور بعض میں بیماری، بدنامی اور حماقت کے۔"

جب ڈمالا سے سارہ برنہارٹ کی شادی ناکامیاب ثابت ہوئی تو آسکر وائلڈ نے اُسے لکھا:۔

"تم نے شاید دنیا میں سب سے زیادہ فیاضانہ جذبات سے کام لیا ہے۔ اکثر عورتیں جب شادی کرتی ہیں تو ایسا ہی کرتی ہیں۔ وہ شادی کو ایک ایسے آدمی کی امداد کے لئے بطور ایک آلہ کے استعمال کرتی

ہیں۔ جو اُن کے نزدیک اتفاق سے کسی مصیبت کا شکار ہوگیا ہے۔ لیکن مری سمجھ میں یہ کبھی نہیں آیا کہ بجائے اُن سے شادی کرنے کے اُنھوں نے اُس کے نام ایک گرانقدر رقم کا چک کیوں نہ بھیج دیا۔ یا کسی نگراں کو کیوں نہ مقرر کر دیا۔ جب میں نیویارک آیا تو مجھے رپورٹروں کی بدولت بڑی پریشانی اُٹھانا پڑی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض خیالی گھوڑا دوڑانے والوں نے جو مجھے مشہور کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں یہ خبر پھیلادی کہ میں نہایت نفیس (شب خوابی کا لباس) پہن کر سوتا ہوں۔ اسی لئے جب کسٹم افسروں نے میرے بکس کھولنے کا حکم دیا۔ تو مجھے اُن کے چہروں پر غیر معمولی قسم کا استعجاب معلوم ہوا۔ جب اُن کو کوئی خاص خبر نہ ملی تو اُن میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کسی اور چیز کا نام لینا چاہتے ہو؟ میں نے اس پر یہ جواب دیا۔ "اپنی ذکاوت کے علاوہ اور کسی چیز کا نہیں"۔ اس واقعہ کے بعد اخباروں میں خوب خوب لکھا گیا۔

سارہ برنہارٹ نے دوسرے خط پر یہ تحریر لکھی تھی کہ آسکر وائلڈ کے پچھلے خط اور اس خط میں تقریباً ساڑھے چار برس کا وقفہ گزرا تھا میرے امریکن دورہ کی طرح اُس کا دورہ بھی نہایت کامیاب رہا۔ مگر جب میں یہاں تھی تو وہ وہاں تھا اور جب میں وہاں تھی تو وہ یہاں تھا۔ اُس کے بعد ایک دن مجھ سے اور اُس سے لنڈن کی ایک سڑک پر ملاقات ہوگئی، پہلے اُسی نے مجھے دیکھا اور کہا خدا کی قسم یہ تو قدسی سارہ ہے، مجھے اُس سے ملکر بڑی خوشی ہوئی اور ہم دونوں دو گھنٹہ تک ساتھ رہے اور دوسرے دن اُس نے مجھے یہ خط لکھا:-

"میں یہ نہیں چاہتا کہ تم اُس رشتہ کو بھول جاؤ جو ہم دونوں کو منسلک کئے ہوئے ہے یا یہ کہ اُس کے معنی اور اُس کی قیمت کا احساس نہ رکھو۔ صرف تمھاری ہی وہ ہستی ہے۔ جس کے ساتھ دوستی قایم رکھنے کے لئے میں ہمیشہ کوشش کرتا رہوں گا، جدائی کے اتنے برس کے بعد تمھاری ملاقات سے مجھے بیحد مسرت ہے۔

ہمارے محور انفرادی اور متعدد ہیں، ہم ستاروں کی طرح ایک دوسرے کی زندگی کے افق سے غائب ہوجاتے ہیں مگر خدا کی قدرت اور اُس کی مرضی سے ہم کو کوئی چیز مثل اُن دو چشموں کے جو الگ الگ ہوکر بہتے ہیں۔ ایک تو سرسبز و شاداب جنگل سے اور دوسرا ایک کھیت سے۔ اور پھر دونوں ایک بلند قہقہہ کے بعد آکر مل جاتے ہیں، ایک دوسرے کے گلے لگتے ہیں، ایک دوسرے کی تکالیف میں حصہ لیتے ہیں اور پھر ایک ابدی سمندر تک ساتھ ساتھ بہتے ہیں۔ یا مثل اُن دو ستاروں کے جو مخملی رات میں ایک ہی بستر پر سوتے ہیں۔ اور اپنی سنہری زلفوں کو سپیدۂ صبح سے ملاتے ہیں اور جدا ہوجاتے ہیں مگر پھر ملادیتی ہے۔

اس طرح سے دو مسرور ہستیوں کو کسی جگہ ساتھ چلنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور پھر سڑک کے گھومنے پر اُن میں کا تیز چلنے والا نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک چاند یا سات چاند یا ستر چاند چمکتے ہیں اور پیلے پڑ جاتے ہیں اور ایک روشن گھنٹہ تک خوب روشنی دکھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی غیر منضبط نظام کے ماتحت وہ پھر مل جاتے ہیں۔"

آسکر وائلڈ نے ایک پارٹی کا بھی نہایت تفصیل سے تذکرہ لکھا ہے جس میں بعض مشہور شخصیتوں کے عادات وخصائل تفصیل سے لکھنے کے بعد وہ لکھتا ہے:۔

"کل گرینڈ بلوارڈ میں مجھ سے ایک حبشی شاہزادہ سے ملاقات ہوئی اور پھر آج ایک فیشن ایبل ہوٹل میں جہاں میں مدعو تھا یہاں مانٹی کارلو میں اُس سے پھر ملا۔ وہ دلکش آدمی تھا، اس کا تبسم چہرہ ایک نہایت خوبصورت ہاتھی دانت کے زیور کے مانند تھا جو موتیوں سے مرصع ہو۔ اور تمہاری آواز کے بعد تمام دنیا میں جن لوگوں سے ملا ہوں اُن سب سے زیادہ بہتر اُسکی آواز تھی تمہیں اُس سے ملاقات کرنے کے لئے وہاں ہونا چاہئے تھا۔ اور مجھے یہ تصور ہوا تھا۔ کہ جیسے میں تم کو اُسکے قوی بازوؤں پر وہاں کے بڑے ہال کے اندر ہوا میں دو اجنبی پھولوں کی طرح جھکے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

ایک مرد عورت کو یہی سکھاتا ہے کہ اُسے ایک بیوی کیسے بننا چاہئے۔ اور ایک عورت مرد کو یہ سکھاتی ہے کہ اُسے ایک اچھا شوہر کیسے بننا چاہئے"۔

آسکر وائلڈ کی زندگی کا ایک راز تھا جو اُس نے سارہ برنہارٹ کے سوا کسی کو نہیں بتایا اور وہ راز یہ تھا کہ آسکر وائلڈ ایک عورت ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ برنہارٹ کو لکھتا ہے:۔

"تم اسے سمجھ جاؤ گی کیونکہ تم میں عورتوں کی ایک خاص صفت، یعنی سمجھ موجود ہے۔ اور جس طرح میں سونے کی صراحی سے شراب انڈیلتا ہوں اُسی طرح تم پر اپنا راز عیاں کرتا ہوں"۔

چنانچہ اُس نے اُس راز کا اُس پر انکشاف کیا اور ایک خط میں لکھتا ہے:۔

" جب میں بہت چھوٹا تھا اُسی وقت میں اپنی بہن کا لباس پہن کر اپنا قد میں پنکھا لئے ہوئے، ایک طویل آئینہ میں اپنی صورت دیکھا کرتا۔ میں نے اپنے خوابوں میں اپنے آپ کو اکثر جولیٹ کا پارٹ کرتے ہوئے اور کوٹھے پر تاروں کی روپہلی روشنی اور چاند کی کرنوں میں جو میرے دل میں چمک اور مسرت پیدا کرتی

تھیں اپنے آپ کو رد مہو کے آغوش میں دیکھا ہے۔ میری یہ ہمیشہ تمنا رہی کہ کاش میں عورت پیدا ہوا ہوتا

عورتوں کو اس دنیا میں مردوں سے زیادہ آرام ہے۔"

آسکر وائلڈ کی نسبت ابھی تک کوئی صحیح بات نہیں لکھی گئی ہے۔ اُس کے جتنی سوانح حیات ہیں وہ سب اُسکی زندگی کے اہم واقعات پر متفق نہیں ہیں اور جن لوگوں کو اُس سے کما حقہ واقف ہونے کا دعوے تھا وہ بھی اُسکے رازوں اور اُس کی فطرت کو نہیں سمجھ سکے۔ ۱۸۸۲ء میں آسکر وائلڈ امریکہ گیا۔ اُس زمانہ میں اُس نے بر نہارٹ کو ایک خط میں لکھا کہ:۔

"مجھے شہر کے میر نے آبشار نیاگرہ دیکھنے کی دعوت دی۔ جس طرح ایک ملکہ اپنے محل کی چھت پر سے کسی چیز کا معائنہ کرے، اور نیچے سڑک پر اُس کی غریب رعایا کھڑی ہوئی ہو اُسی طرح میں نے اُس عظیم الشان آبشار کو دیکھا، بیس یا اُس سے زیادہ رپورٹر میرا فیصلہ سننے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے یہ کہا کہ حضرات یہ نہایت شاندار منظر ہے مگر ذرا خیال کیجئے کہ اگر پانی مخالف سمت سے بہتا ہوتا تو یہ منظر کتنا زیادہ موثر اور خوبصورت ہو جاتا۔ میر کو اس پر سخت استعجاب ہوا"

ایک اور خط میں امریکہ کے بارہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"وہاں آبشار نیاگرا ہی صرف ایک قدرتی منظر ہے، ورنہ وہاں جو کچھ بھی ہے وہ اسٹیج کی سینری ہے پھر ظاہر ہے جہاں عمدہ ایکٹنگ ہو وہاں دلکش سینری کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ایکٹنگ اچھی نہ ہو تو البتہ سینری کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایکٹنگ کبھی خراب نہ ہونا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ تمھیں اس کا اتنا ہی احساس ہوگا جتنا مجھے ہے۔

امریکہ کی عورتوں کے بارہ میں وہ لکھتا ہے:۔

"۔۔۔ امریکہ کی عورتیں نہایت شوخ، چالاک اور دنیا پرست ہوتی ہیں۔ ان میں حاضر جوابی، پسندیدہ خودداری اور اپنی شخصیت کا احساس پایا جاتا ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔ ہمارے طبقۂ امرا کو اتنا پسند کرتی ہیں کہ جمہوریت کے اُصولوں کو بھی نظر انداز کر جاتی ہیں۔

مردوں کو مسرور بنانے میں وہ فطرتاً اور تعلیماً دونوں حیثیتوں سے بہت ہوشیار ہیں۔ ایک امریکن عورت ایک افسانہ، مطلب کی بات بھولے بغیر سنا سکتی ہے اور یہ ترکیب انگریز عورتوں کو ابھی تک اچھی طرح نہیں معلوم ہو سکی۔

یہ صحیح ہے کہ ان میں دلچسپی کی کمی ہے اور ان کی آوازیں سخت ہوتی ہیں۔ خصوصاً جب وہ پہلے پہل انگلستان آتی ہیں۔ مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد ان سایہ پوش چھلاووں سے جو ہماری اعلیٰ سوسائٹیوں

میں آزادی سے گھومنے لگتی ہیں اور لوگ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ہر چیز کے لئے موزوں بنا لیتی ہیں۔ ان میں سے بعض نے تو چند ہی ماہ میں فیشن ایبل انگریزی گانا بھی سیکھ لیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک زمانہ میں کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا اور پھر اُسے امن و امان کی حالت میں چھوڑ آیا۔ مگر امریکنوں نے یوروپ کو دریافت کرنے کے بعد اُسے اپنی حرکات سے عالم اضطراب ہی میں رکھا۔"

فڈورا (FEDORA) کے مصنف اور سارہ کی محبت کے بعد سارہ کی دوسری محبت کا مشہور واقعہ پری برٹن (PIERRE BERTON) کے ساتھ اُس کا افسانۂ عشق ہے۔ سارہ کو اُس سے اتنی محبت ہو گئی تھی کہ ایک مرتبہ اُس نے برٹن کو یہ لکھا تھا کہ اور لوگ تو میری زندگی میں ماہ اپریل کی بارش کے ایک چھینٹے کی طرح رہے ہیں لیکن تم میرے لئے ساتوں سمندر ہو۔ سارہ نے برٹن کی کئی کتابیں اور ڈرامہ شائع کرائے اور پھر اُس نے برٹن کی ایک کتاب کی نقل آسکر وائلڈ کے پاس اس امید میں بھیجی کہ اگر ادب کے لحاظ سے نہیں تو کم از کم سارہ کی دوستی کی خاطر وہ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کر دیگا۔ برٹن کے ڈرامہ کے بارہ میں آسکر وائلڈ نے برنہارٹ کو یہ خط لکھا:-

"ستاروں کی آواز رکھنے والی حیرت انگیز ہستی! تم نے پیرس میں جو کاغذات مجھے دئے تھے انکو میں واپس کر رہا ہوں۔ میں نے ان کو نہایت مسرت سے پڑھا ہے، محض اس لئے کہ تم نے اُس پر سانس لی ہوگی، محض اس لئے کہ تمہارے ہاتھوں نے ان کو مَس کیا ہوگا اور ان پر تمہاری ملکوتی آواز کی صدائے بازگشت باقی رہ گئی ہوگی، ٹھیک اُسی طرح جیسے تاروں کی روشنی سمندر کے تاریک پانی پر رات کی عظمت کا کچھ نشان چھوڑ جاتی ہے۔

میرے خیال میں لوگوں نے ڈوماریر (DU MAURIER) کی تصانیف پڑھی ہوں گی اور اس بیان کو بھی پڑھا ہوگا کہ "جو شخص حسن اور عقل دونوں کے ساتھ شادی کرتا ہے وہ گویا عقد ثانی کا مجرم ہے۔" انھوں نے وہ صفحہ بھی پڑھا ہوگا جس میں ڈرامہ کی خاتون اُس آدمی سے جسے وہ پسند کرتی ہے یہ دریافت کرتی ہے کہ تمہارے نزدیک میری کیا عمر ہے؟ اور اس کے جواب میں وہ اُسکے غازہ اور پوڈر کو دیکھ کر کہتا ہے کہ محترمہ مجھے معلوم نہیں مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ جتنی آپ کی عمر ہے اتنی معلوم نہیں ہوتی۔ اس مسودہ میں جسے میں واپس کر رہا ہوں، یہ باتیں نہیں ہیں مگر اُس میں ڈوماریر کا یہ خیال البتہ پایا جاتا ہو کہ دوشیزگی عقل کی ایک جزو یا اُسکی ایک حلیف ہے۔" تمہارا آسکر وائلڈ۔

وائلڈ کا دوسرا خط حسب ذیل ہے:۔

"مائی ڈیر سارہ برنہارٹ،

میں نے اپنی نظموں کے پروف کے آخری صفحات کو ابھی ابھی صحیح کیا ہے۔ ان نظموں کو یہاں ڈیوڈبروگ شائع کر رہے ہیں۔ اور جس طرح میرے ایک ڈرامہ کی طرح ان میں سے ایک نظم کے عنوان کو تمھارا نام زینت دے رہا ہے اسی طرح مجھے اُمید ہے کہ تمھاری آواز بھی اپنے ملکوتی نغموں سے اُسے عزت بخشے گی۔ میں نے ناشر کو ہدایت کر دی ہے کہ پریس سے نکلتے ہی کتاب کی ایک کاپی تمھارے پاس بھیجدے اور وہ تم کو اب ایک یا دو ہفتوں میں مل جائے گی۔ تمھارا نام، تمھارا اعلیٰ اور تمھارا پراثر نام ایک نظم کے مطلع پر اُسی طرح لکھا ہوا ہے۔ جیسے ایک صحرا میں اہرام یا کسی معبد کے دروازہ پر ایک نگہبانی کرنے والا ایک شیر! ۔ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ ۱۴ اشعار تمھاری وجہ سے دماغ سے نکلے ہیں مگر دنیا یہ نہیں جانتی جو میں اب تم سے بتا رہا ہوں یعنی یہ کہ تمھاری ہستی ہی نے کتاب کی تقریباً نصف نظموں کو مجھ سے کہلایا ہے اور یہ کہ ان میں کی بہترین نظمیں تمھارے نغمہ ہی کی صدائے بازگشت ہیں۔

مجھے اس خیال سے مسرت ہوتی ہے کہ میرے کانوں میں جو درحقیقت گانے نہیں بلکہ تصاویر ہیں تم سے زیادہ کسی اور کو ہمدردی نہ ہوگی۔ میری تصنیف پر تمھاری تنقید میرے دلی شکریہ کو الفاظ کی صورت میں ابھاریگا۔ ہمارے کام اور ہمارے مقاصد تقریباً ایک ہی ہیں۔ میں نے اس فیصلہ کو کبھی تسلیم نہیں کیا کہ صرف ایک شاعر ہی شعر کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ البتہ میرا یہ خیال ضرور ہے کہ صرف ایک مصور ہی آرٹ کا بہترین نقاد ہو سکتا ہے۔ یہ اس سے بہت مختلف چیز ہے۔ اگر کوئی شاعر صرف شاعر ہے تو اُسے قافیہ اور ردیف کے متعلق ہی گفتگو کرنے کی اجازت دینی چاہئے۔ مصورانہ تخلیق کے پراسرار قانون اُس پر اُسی وقت عیاں ہو سکتے ہیں جب وہ مصور بھی ہو کیونکہ آرٹ متعدد نہیں ہیں بلکہ صرف ایک ہے۔ نظم، تصویر، قطعہ وغیرہ سب ایک چیز ہیں اور جس کو یہ ایک چیز معلوم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ میں اپنی غزل کا دستخطی مسودہ مع متعدد ترمیمات کے تمھارے پاس بھیج رہا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ تم اپنی کاپی میں اس کو لکھ لوگی اور وہ اشعار جن جذبات کا اظہار کر رہے ہیں اُسے یہ بھولوگی۔ تمھارا دوست آسکر وائلڈ"

"مکرر آنکہ جب میں پیرس آؤں گا تو ہم دونوں جلد ساز کے پاس چلکر غزل کے مسودہ کو کتاب کے ساتھ سرخ رنگ میں مجلد کرا دیں گے"

سارہ برنہارٹ نے ۱۸۸۲ء میں جیکوئس ڈمالا سے شادی کر لی، اُس نے وائلڈ کو لندن میں شادی کے مو

پر شرکت کے لئے لکھا تھا مگر وائلڈ نے شریک ہونے سے مجبوری کا اظہار کیا تھا مگر جب نیو یارک پہونچ کر وائلڈ کو اس شادی کی تصدیق ہو گئی تو اُس نے ایک خط پھر لکھا:-

"مائی ڈیر لیڈی -

چونکہ موجودہ قانون نے شادی کی حیثیت کو اسقدر بدل دیا ہے کہ ایک آدمی کو اپنی بیوی کے متعلق یہ یقین کرنا کہ وہ اُس کی ہے اتنا ہی مشکل ہے جتنا اپنے لڑکے کے باپ ہونے کے متعلق، اس لئے اب جبکہ تمہارے جلد باز ارادے حقیقت کا جامہ پہن چکے ہیں میں یہی سوچ کر اپنے کو تسلی دے لیا کرتا ہوں کہ تم نے اپنی آزادی نہ کھو دی ہوگی۔ شاید تم نے دنیا میں سب سے زیادہ فیاضانہ جذبات کی وجہ سے یہ کام کیا ہے کیونکہ اکثر عورتیں جب شادی کرتی ہیں تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ شوہر کی امداد کرتی ہیں۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شادی کرنے کے بجائے وہ اس کے نام ایک گرانقدر رقم کا چک کیوں نہیں بھیج دیتیں۔ بغیر شادی کئے ہوئے بھی ایک آدمی کی امداد ممکن ہے۔ اگر مرد عورت کی آمدنی میں حصہ بٹاتا ہو تو یہ کیا ضرور ہے کہ عورت مرد کے نام میں بھی حصہ بٹائے۔ یہ وحشیوں کا جنگلی پن ہے۔ امریکن (جیسا کہ وہ کہے جاتے ہیں) فطرتاً غیر مہذب نہیں ہیں بلکہ غیر مہذب ہو گئے ہیں اور یہ امتیاز غور کرنے کی چیز ہے۔ اس براعظم میں ہر انگریز قوم غیر مہذب ہو گئی ہے۔ کناڈا کے رہنے والے فرانسیسی غیر مہذب "نا" ہیں" اس لئے کہ یہاں آنے سے قبل وہ ہمیشہ کسان ہی رہے تھے ۔۔۔

جب میں، بندرگاہ پہونچا تو رپورٹروں نے خود میرا ناطقہ بند کر دیا ایک یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں انڈا ایک طرف سے نیم برشت کر کے کھاتا ہوں یا دونوں طرف سے! - ایک نے یہ دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ میں اپنے ناخنوں کو اسی طرح رنگتا ہوں جس طرح ملکۂ جاپان رنگتی ہیں ؟ - ایک دوسرے نے پوچھا "آپ صبح کتنے بجے سو کر بیدار ہوتے ہیں ؟" ایک اور نے سوال کیا کہ آپ اپنے غسل خانہ میں کس حد تک گرم پانی پسند کرتے ہیں، اُس نے مجھ سے یہ بھی بتایا کہ اُسے یہ اطلاع ملی تھی کہ میں نہانے سے قبل رنگین عطریات سے پانی کو رنگین کر لیتا ہوں۔ یہ خبر بھی اڑا دی تھی کہ میں نہایت بیش قیمت لیس دار گون پہن کر سوتا ہوں چنانچہ جب کسٹم افسر میرا سامان دیکھ رہے تھے تو ہزاروں متجسسانہ نگاہیں میرے اوپر پڑ رہی تھیں۔

مگر یہ کہ ایک مفکر کے لئے موت شادی سے بھی کم اہم چیز ہے۔ پرانا پودا اس لئے کاٹ دیا جاتا ہے کہ نئے کو پروان چڑھنے کی جگہ ملے۔ موت کوئی صدمہ کی چیز نہیں ہے حتیٰ کہ اُسے اختلاج قلب بھی نہیں کہا جا سکتا۔ وہ صرف ایک وقفہ ہے۔ لیکن شادی آنے والی نسلوں کی ایک طویل فہرست

ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیتی ہے۔ جن میں سے بعض میں تندرستی، ذکاوت، اور عزت کے الفاظ لکھے ہیں اور بعض میں بیماری، حماقت اور بدنامی کے۔"

دوسرے سال وائلڈ نے مانٹی کارلو سے دو خط اور لکھے۔ اس اثنا میں وائلڈ اور سارہ دونوں عرصہ تک پیرس میں رہ چکے تھے۔

"مائی ڈیر سارہ۔

تمہارے دو خط آج مجھے ملے کیونکہ میں تقریباً ایک ہفتہ سے سینٹ سبیسٹین میں تھا اور چونکہ امید یہ تھی کہ ہر روز آجایا کروں گا اس لئے ہوٹل میں اپنے خطوط بھیجنے کا پتہ نہیں دے گیا تھا۔ تمہارے یہاں ملنے کا خیال میرے لئے بہت مسرت کن ہے۔ لیکن اگر تم نے مجھے اپنے آنے کی اطلاع نہ بھی کی ہوتی تب بھی مجھے اس سے آگاہی ہو جاتی کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں تم نے ہر اخبار کو اس معاملہ میں اپنا رازدار بنالیا ہے۔ کل ایک اخبار نے تمہاری ایک بڑی تصویر شایع کی تھی اور اسی اخبار میں آج "گسمنڈہ" کے ڈرامہ کی "آور لیڈی آف دی پام" کی حیثیت سے تمہاری جو تصویر مسیحا نے بنائی ہے وہ چھپی ہے میں اس تصویر کو دیکھ کر ہنستا ہوں اور مجھے گنو یووارڈ کے اس جملہ کا خیال آجاتا ہے کہ "کسی صوبجاتی اخبار کے پہلے صفحہ پر ایک ہی ایکٹریس کی تصویر دو دن متواتر شایع ہوتے دیکھ کر تو مجھے اڈیٹر کی بیوی کا خیال آجاتا ہے کیونکہ مجھے بھی شوہر کی بے وفائی کا تجربہ اور اُس کی تکلیف کا اندازہ ہو چکا ہے۔

مسز ٹجبن کو یہاں آئے ہوئے تقریباً دو ہفتہ ہو چکے ہیں۔ امریکن کالونی کے تمام لوگ بھی پیرس سے یہاں چلے آئے ہیں۔ وہ غالباً تمہاری دعوت کرے، میرے سینٹ سبیسٹین جانے سے ایک روز قبل اُس نے میرے اعزاز میں ایک ڈنر دیا تھا اور اُس موقع پر ہر غیر مہذب ملک کا کم از کم ایک نمایندہ ضرور موجود تھا۔ امریکہ کے ایک سے زیادہ تھے اور اسپین کے چار یا پانچ۔ اب کی سال یہاں بہت سے اسپینی آئے ہوئے ہیں۔ بڈھا بیرن ــــ اپنے چینی کے برتن کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ جب اُس نے ہنسنے کے لئے منھ کھولا تو ہم سب کو اُس کی کائنات معلوم ہوگئی۔ پادریوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ اُن کے علاوہ ایک بے تاج کا بادشاہ، چند بے بچوں کی مائیں، چند بے شوہر کی بیویاں، چند طوطے کی ایسی ناک والی بیوائیں اور ایک ماہر فراست الیدیا ماہر امراض الید بھی تھا۔

آج اُس حبشی شاہزادہ سے جس سے میں کل گرینڈ بولورڈ میں مل چکا تھا پھر ملاقات ہوئی! ایک انگریزی بولنے والے شخص کی زبان سے میں نے اس سے قبل ایسا ترنم ریز لہجہ نہیں سنا تھا۔ ہم لوگ تھوڑی دیر تک

گفتگو کرتے رہے۔ اُس کا وطن افریقہ کے مغربی ساحل تیجز میں ہے۔ اُس نے مجھے وہاں آنے کے لئے مدعو کیا ہے اور در حقیقت وہ نہایت پراسرار ہستی ہے۔ اُس کی بندش الفاظ بہت مکمل اور اُس کا لہجہ نہایت دلچسپ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس سے تم بھی مل لو۔ اُسے فرانسیسی نہیں آتی مگر جو چیز وہ فرانسیسی زبان میں سوچتا ہے اُسے نہایت حسن وخوبی سے انگریزی میں ادا کرتا ہے۔ ایسے موقع پر جب دوشیریں آواز رکھنے والے مجتمع ہوں مجھے ترجمان بننے میں خاص مسرت ہوگی۔ اُس کی گفتگو کا درجہ (CLASSIC) کلاسک کے بعد ہی ہے اور میرے اس پرانے قول کی تائید کرتا ہے کہ اگر "زندگی" شاعرانہ نہیں ہے تو "نحوی" ضرور ہے۔ مثلاً بغیر محبت کی زندگی بغیر "اسماء صفت" رکھنے والی زبان کے ہے اور محبت کے ساتھ زندگی اُس زبان کے مشابہ ہے جس میں بہت سے ضمائر ہوں۔ مردِ مجرد کی زندگی اُس زبان کی طرح ہے جس میں "علامت" بہت ہی کم ہوں۔ جب کوئی بڈھی دوشیزہ شادی کرتی ہے تو اُس کی زندگی سوالیہ اور ندائیہ نکات کا ایک مجموعہ بن جاتی ہے۔ بے شک! اگر زندگی شاعرانہ نہیں ہے تو نحوی ضرور ہے اور اس چیز کو ایک حبشی سے سیکھنا یقیناً ایک اہم چیز ہے۔ "حقیقت" اکثر بے واسطہ ذرائع سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک کسان ایک شاہزادہ کو نہایت اچھی طرح سے اخلاق سکھا سکتا ہے۔ اسپینی، بلجیم میں پہلے فرانسیسی زبان کو لے گئے اور ہالینڈ والوں نے اپنی نہ بولی جا سکنے والی گلے سے نکلی ہوئی آوازوں سے انگریزی زبان کو وہ الفاظ دئے جو اُس کی خوبی کا باعث ہیں، کسی شہر کے پادری وہاں کے عیوب اور بدکاریوں کے متعلق بہترین اسناد ہیں اور جب کسی گرجے کے متعلق کوئی بدنام کن بات مشہور ہو تو اُس کی صحیح اور مکمل تفصیلات ایک طوائف کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

آسکر وائلڈ"

وائلڈ نے دوسرے دن حسب ذیل خط لکھا:۔

"مائی ڈیر سارہ - یہاں کے ہوٹل کے منیجر کی بدتہذیبی پر مجھے پھر وہ چیز یاد آگئی جو میرے کل کے خط کا خاص منشا رتھا اور اب مجھے یاد آیا ہے کہ تمہارے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔

مائی ڈیر! یہ ہوٹل نہایت ناقابل اطمینان جگہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اسے کبھی نہ پسند کروگی۔ تم نے جیسا لکھا ہے میں نہایت خوشی سے کمروں کو تمہارے لئے مخصوص کرالوں گا لیکن اگر تم کو آخر میں آرام نہ پہونچے تو میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ اگر ہم اِدھر اُدھر تلاش کریں تو باوجودیکہ ہر مقام پر آدمیوں کی کثرت ہے لیکن پھر بھی اس سے زیادہ اچھی جگہ مل سکتی ہے۔ یہ نہایت بیہودہ جگہ ہے اور مجھے

یہ خیال کر کے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں آجاؤ اور ہم دونوں ایک ساتھ دیکھ لئے جائیں کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمیں یہ سمجھنے لگیں کہ ہم بھی اسی غرض سے یہاں آئے ہوئے ہیں جس مطلب سے وہ سب آئے ہیں۔ مجھے اپنے آنے سے اطلاع دو۔ میں پلیٹ فارم پر تم سے ملنے اور حتی الامکان تمھاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اکیلی آرہی ہو۔ تمھارا۔ وائلڈ"

وائلڈ کو اپنے ڈراموں سے کافی آمدنی ہوتی تھی اور وہ اپنی زندگی نہایت عیش و عشرت سے گزارتا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی حقیقی بدنامی سے پہلے ہی لوگ اُس کو بدنام کرنے لگے تھے اسی زمانہ میں اُس نے سارہ کو حسب ذیل خط لکھا تھا:۔

"میں حال میں خیرات دینے کے لئے لوگوں کے گھروں کو جانے لگا تھا تم اسے غیر ضروری بات تصور کرو گی مگر میں یہ کہوں گا کہ یہ بھی بے معاوضہ نہیں ہوتی ہے۔ سے قبر میں میری جو بدنامی ہوئی اُس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بالکل حق بجانب ہے کہ میں گلیوں میں خیرات بانٹ کر کفارہ ادا کروں۔ چنانچہ کل میں ایک ویران مکان کی طرف گیا جو رہنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا اور دروازہ کو کھٹکھٹا کر اس کا انتظار کرنے لگا کہ کوئی شخص باہر نکلے اور جو روپیہ میرے پاس ہے اُسے قبول کرے۔ کچھ دیر تک کسی نے مجھے جواب نہیں دیا مگر فوراً میری توجہ اوپر کی کھڑکی کی طرف منتقل ہو گئی جہاں سے ایک بڑھی عورت جس کے صرف ایک دانت رہ گیا تھا کہہ رہی تھی "نہیں۔ جناب، یہاں اپنی روح میرے اوپر مسلط کرنے نہ آیئے۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب آپ آیندہ ہفتہ یہاں آئیں گے تو ایک اخبار آپ سے یہ دریافت کرے گا کہ آپ نئو بہترین تماشوں کی ایک فہرست تیار کر دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ آپ یہ جواب ضرور دیں گے کہ نئو تماشوں کا نام بتانا ناممکن ہے کیونکہ اسوقت تک آپ نے صرف ۸۰ ڈراموں ہی میں کام کیا ہے۔

مائی ڈیر سارہ! کچھ "ہو جانا" معمولی بات ہے مگر کچھ "رہنے" کے لئے سلیمان کی عقل کی ضرورت ہے۔ تمھارا آسکر وائلڈ"

آسکر وائلڈ کے ہر خط میں اُس کی زندگی کے بارہ میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا تھا مگر کسی شخص کو اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اپنے نام کے خطوط اشاعت کے لئے دیدیتا کیونکہ اُسے یہ خوف تھا کہ کہیں وہ خود نہ بدنام ہو جائے چنانچہ آسکر وائلڈ کے خطوط عرصہ تک پوشیدہ رہے۔ اُس کے خطوط کا بھی اُس کے مکالموں اور اُس کی نثر کی

ایک طرح ایک خاص اسلوب بیان تھا۔ وائلڈ کے خطوط اُس کے خیالات کا آئینہ تھے اور ایک مرتبہ اُس کی ماں نے ان خطوں کے بارے میں کہا تھا کہ میں نے وائلڈ کے خطوط پڑھنے کے بعد اُس کے مزاج کو زیادہ اچھی طرح سمجھا ہے وائلڈ نے امریکن مصنف کلائڈ فچ کو جو خطوط لکھے اُس میں ڈرامہ کے ہر پہلو پر بحث کی ہے مگر سارہ برنہارٹ کے نام جو خط ہیں ان میں اُس نے اپنی زندگی پر بحث کی ہے۔ ان خطوں سے اس کے اصلی خط وخال ظاہر ہوتے ہیں۔ سارہ کے نام کے جو خطوط ہیں وہ بہت شاعرانہ ہیں اور اُس کی زبردست شخصیت اور متنوع زندگی پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب سے زیادہ اس کے یہ خطوط اُس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۸۸۷ء میں وائلڈ ایک ماہوار رسالہ "عالم نسواں" (دی وومنس ورلڈ) کا جو لندن سے نکلنا شروع ہوا تھا اڈیٹر ہوگیا۔ اس رسالہ کے بارہ میں خود آسکر وائلڈ نے یہ لکھا تھا کہ "یہ رسالہ آج کل کی تعلیم یافتہ خواتین کے اظہار خیال کے لئے نکالا گیا ہے۔" اس سلسلہ میں اُس نے سارہ کو بھی ایک خط لکھا کہ وہ بھی رسالہ میں اپنا مضمون بھیجے، وہ خط یہ ہے:۔

"مائی ڈیر سارہ ۔۔ تم اسوقت تک اُس رسالہ کے جس کی میں ادارت کر رہا ہوں دو نمبر دیکھ چکی ہوگی۔ میں نے حکم دیدیا تھا کہ اڈیٹر کا سلام لکھ کر انھیں تمھارے پاس بھیجدیا جائے اور اب وہی اڈیٹر یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم نے رسالہ کو کیسا پایا۔ جب تک میں اس رسالہ کا اڈیٹر ہوں یہ پرچہ دور حاضر کی تعلیم یافتہ خواتین کے اظہار خیال کے لئے وقف ہے اور رہیگا۔ مگر ابھی تک بدقسمتی سے یہ گویا تقریباً خانگی معاملہ ہی رہا ہے کیونکہ اُس کے کالم بھرنے کے لئے اپنے ذاتی دوستوں ہی پر بھروسہ کئے بیٹھا رہا۔ لیکن یہ ہمیشہ نہیں ہو سکتا اور میں تم سے کئی مضامین کی درخواست کروں گا۔ تم ڈرامہ کے متعلق جو کچھ بھی لکھو گی اُسے اشاعت کے لئے قبول کر لیا جائے گا۔ اسی طرح تمھاری رنگین داستان کے بھی دو ایک باب نہایت خوشی سے قبول کئے جائیں گے۔ کیا تم میرے لئے سفر امریکہ اور امریکہ کے باشندوں کی نسبت اپنے تاثرات کو ایک مضمون میں قلمبند کر سکتی ہو۔ میری خواہش تو یہی ہے کہ یہ مضمون تمھارے ہی قلم سے ہو لیکن اگر تم اُسے نہ لکھو تو کیا تمھیں اس پر اعتراض ہوگا کہ میں اُسے لکھوں اور تمھارے نام سے شائع کردوں؟ بہرحال رسالہ کو اُس کے نام کے مطابق شائع ہونا ہے اور اُس کے مضامین نگاروں میں بھی خواتین ہی کو ہونا چاہئے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ تم یہ مضمون ضرور لکھدو گی۔ میرا خیال ہے کہ میرے ناظرین کو امریکنوں کی تعریف پسند نہ ہوگی اس لئے انھیں بالکل مہذب بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل برطانیہ کو اہل امریکہ کی تہذیب سے زیادہ ان کی بدتہذیبی میں دلچسپی ہے۔ تم ان کی فرانسیسی زبان کے بارہ میں مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔ اُسکو بھی لکھدو۔

تم مضمون کا اس طرح افتتاح کر سکتی ہو" کولمبس نے امریکہ کو ایک دفعہ دریافت کیا اور پھر اُسے امن کی حالت میں چھوڑ کر چلا آیا۔ مگر امریکہ والوں نے فرانس ایک مرتبہ دریافت کیا اور اُس وقت سے ابھی تک اُسے دریافت کیا کرتے ہیں انھوں نے انگریزی تو سیکھی نہیں اور فرانسیسی سیکھنا شروع کر دی۔ وہ ہمارے ملک میں اپنے کبھی نہ ختم ہونے والی آمد کی تشریح یہ کہکر کرتے ہیں کہ وہ یہاں اپنی تعلیم کے تکملہ کیلئے آتے ہیں۔ اور ہمیں ان کی باتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے جو اتنے دلچسپ غیر منطقی ہیں کہ جس چیز کے شروع کرنے کی ہمت انھیں اپنے ملک میں نہ پڑی وہ غیر ملک میں جا کر اُس کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مجھے چند روز میں اس کا جواب مل جائے گا میں اس معاملہ میں تمھارے اوپر بھروسہ کر رہا ہوں ــــ تمھارا سچا دوست آسکر وائلڈ

وائلڈ نے ۱۸۹۶ء میں حسب ذیل خط لکھا تھا جس ڈرامہ کا اس میں تذکرہ ہے وہ "سالومی" ہے۔

"مائی ڈیر سارہ ـ میں تمھارے خط کا باوجود اس کے کہ وہ کچھ نہ ہونے کی حد تک مختصر ہے۔ ممنون ہوں تم لکھتی ہو" غالباً آپ کارنیوال دیکھنے کے لئے نیس آئیں" میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جہاں گرامر کی رو سے ایک وقفہ کی ضرورت ہے وہاں تم سوالیہ نشان کیوں بناتی ہو۔ واللہ تم بالکل فرانسیسی ہو۔ ہمیشہ اُس چیز کو پیش کرتی ہو جہاں دوسری ہونا چاہئے۔ میں بھی عادتاً فرانسیسی ہوں مگر چونکہ میں فرانس میں نہیں پیدا ہوا اس لئے شاید مجھے اور بھی دار لنی چاہئے۔ ہم لوگوں کا یہ بے تکا پن اُس سنہری زنجیر کی کڑی ہے جو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے ہے۔ میری اندرونی زندگی کا پردہ اکثر لوگوں نے اُٹھانا چاہا اور پھر یہ معلوم کر کے کہ اُس میں صفات سبعہ نہیں پائے جاتے اپنے ارادہ سے باز آگئے ہیں۔ مگر تم ان چند میں سے ایک ہو جو اُس مقدس جگہ میں داخل ہوئے اور میری روح کے موتی کو ایک جام شراب میں بہتے ہوئے دیکھا۔ یہاں میرے دن سست گھونگھے کی طرح رینگ رینگ کر آہستہ آہستہ ختم ہو رہے ہیں۔ میں فرانسیسی زبان میں ایک تماشہ لکھ رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ جب ہماری پھر ملاقات ہوگی تو تمھارے سنانے کے لئے اُسے مکمل کر چکا ہوں گا۔ افسانہ زمانۂ قدیم کا ہے مگر جس چوکھٹے میں میں یہ تصویر لگاؤں گا وہ بالکل نیا ہوگا ـ وہ درحقیقت اس قدر جدید ہوگا کہ اگر اُس پر احتساب نہ کیا جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔

ایک مصور کے لئے ماضی بہت کچھ ہے۔ وہ مستقبل کو سائنس کے لئے چھوڑ سکتا ہے۔ اور نقاشوں میں ایک مصور ماضی کی قدر سب سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ کہ تخیل کے اگلے سرے کو حاصل کرنے کے لئے

شاعری کو ماضی کی طرف اشارہ کرنا چاہئے ایک ایسی حقیقت ہے جسے لوگ بہت قیمتی سمجھتے ہیں ۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہماری گزشتہ شاعری وعدہ، پیشین گوئی اور تفکر کی شاعری ہے اور ہر معاملہ میں مستقبل کا اشارہ کرتی ہے ۔۔۔ نیز یہ بھی سمجھتے ہوئے کہ ایک شخص نے جس نے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی غلطی نہیں کی یہ کہا تھا کہ انگریزی شاعری خاصکر مستقبل کے لئے پیدا ہوئی ۔۔

میں نے بیسیوں دواوین الگٹ ڈالے ہیں ۔ انھیں پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ ماضی سے انھیں کتنا تعلق ہے۔ میرے ذوق کے لحاظ سے وہ نظمیں جس کا تعلق ماضی یا مٹی ہوئی سلطنتوں یا شکستہ محلوں یا ختم شدہ محبت سے ہو دوسری نظموں سے زیادہ بہتر ہوتی ہیں ۔

اسی طرح نثر میں بھی میرا ذوق یہی ہے ۔ مجھے تو "کسی زمانہ میں" کے پرانے فقرے میں تازگی کا ایک ابدی چشمہ نظر آتا ہے اور جب کوئی کتب الہامی میں یہ پڑھتا ہے کہ 'ایک زمانہ میں یہ ہوگا'، تو اس تلخ فرمان میں اُسے جملہ کا بقیہ حصہ دیکھنے سے قبل ہی ایک ایسی مکروہ آواز سنائی پڑتی ہے، جیسے تلواروں کی چمک یا دانتوں کی کٹکٹاہٹ ہو ۔

ٹینی سن نے زمانۂ "حاضر" میں بعض نہایت عمدہ تشبیہات کھینچی ہیں ۔ زمانۂ "حاضر" میں تخئیل بہت آسانی سے دکھائی جا سکتی ہے ۔۔ پر شوکت آبشاریں نظر آتی ہیں، صحرائی چشمہ ابل رہے ہیں، ناہموار پہاڑوں کی وادیوں میں پھول اُگ رہے ہیں ۔ غرض اس قسم کی تشبیہات اُس کی تحریر میں بہت زیادہ ہیں ۔ مگر یہ سب فطرت کی تصویریں ہیں اور ٹینی سن کی خصوصیت اسی میں ہے ۔ یہ تصویر دوسرے کنارہ کو نہیں چھوتی ۔۔ شاعری کا دوسرا کنارہ ایک غیر مرئی چیز ہے ۔ جب ٹینی سن کو تخئیل کا دوسرا ال گیا تو پھر زمانۂ "ماضی" ہی کے پروں پر اس نے پرواز کی ۔

شاعری کے طلبار کو، اُس کے پیغام کا آخری مقصد معلوم کرنے کے لئے ایک ایسے تخیل کی ضرورت ہے جو استوار، مکمل، وسیع، پر زور حساس، لچکدار اور ہر موقع کے لئے مناسب ہو ۔ یہ بات صاف ہے کہ مستقبل کی ان چیزوں کی شاعری جو ابھی تک ہمارے ذہن میں نہیں آئی ہیں یا اگر آئی بھی ہیں تو اچھی طرح سے نہیں، ان جذبات کے ظاہر ہونے کا زیادہ موقع دیتی ہیں بہ نسبت ان چیزوں کے جو بن چکی ہیں یا جن کی تشریح ہو چکی ہے کوئی سمجھدار آدمی اس کی تردید نہ کرے گا اور نہ وہ شاعری میں ماضی کیلئے اس غیر مشرح دلچسپی رکھنے کے لئے انکار کرے گا ۔

آج کل یونان اور روما میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے متعلق کچھ سننا تکلیف دہ چیز ہے ۔ ان کے مستقبل کو سوچ کر بھی ہم میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوتا مگر جب ہم شاعری کے زمانۂ "ماضی" میں ان کی نسبت

جو پڑھتے ہیں تو وہ بہت زبردست چیز معلوم ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے "وہ عظمت جو کبھی یونان کی تھی"

"وہ شوکت جو کبھی رومہ کو حاصل تھی"۔

مائی ڈیر سارہ۔ مجھے شکستہ مندروں اور گزری ہوئی محبت سے عشق ہے۔ زندگی میں جو لمحات

رہنے کے قابل ہیں وہ وہی ہیں جو بسر کئے جا چکے ہیں۔ تمہارا ہمیشہ پیارا دوست آسکر وائلڈ"

آسکر وائلڈ نے آخری خطوط جو سارہ کو لکھے ہیں ان میں پیرس آنے، چاریا پارٹی پر مدعو کرنے وغیرہ کی معمولی باتیں ہیں مگر چونکہ اُس کے ہر خط میں کوئی نہ کوئی خاص بات ہوتی تھی اس لئے ان میں بھی کہیں نہ کہیں ظرافت کی چاشنی موجود ہے۔

جب رنج و غم نے وائلڈ کو پژمردہ کر دیا اور بقول اُسی کے انھوں نے "اُسے اپنے دو پاٹوں کے بیچ پیس لیا" تو وہ خود ہی اپنی تحریروں کے معائب تلاش کرنے لگا۔ مگر وہ انجیل کے ان ولیوں کی طرح تھا جن کے گناہ ہی انھیں اس درجہ پر پہونچا دیتے ہیں۔ ایک خط میں اُس نے سموئیل راجرس کی تعریف کی تھی جس نے ایک مرتبہ قانونِ کشش زمین پر چند اشعار لکھے تھے۔ اُسی کے آگے اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"یہ اشعار قابلِ تعریف ضرور ہیں مگر ورڈسورتھ ایسا غیب داں کبھی اس پر قناعت نہ کرے گا کہ وہ سائنس کی ایک کتاب کے لئے چند شیریں مگر بے مغز باتیں لکھدے۔ اس کا آسمان رفیع تر، اُس کا میدان وسیع تر اور اُس کی نظر عمیق تر ہے۔ شاعر، سائنس سے پہلے رموزِ فطرت کو سمجھ لیتا ہے اور ورڈسورتھ کے یہ چار اشعار سائنس کی لاکھوں تجربہ گاہوں کے لئے لاکھوں برس کا کام ہے:۔

"پھول اپنی جگہ پر تیرے سامنے ہنستے ہیں
اور خوشبو تیرے قدموں کے نیچے چلتی ہے
تو ستاروں کو غلطی کرنے سے روکتی ہے
اور پرانے آسمان تیری ہی وجہ سے مستحکم بنے ہوئے ہیں"

"ملٹن بھی، جو شیکسپیر سے زیادہ آرٹ کو سمجھتا ہے ورڈسورتھ ایسی دل آویز ہستی کو نمایاں نہیں کرتا۔"

جب وائلڈ کا ڈرامہ "سلومی" شائع ہوا تو انگریزی نقادوں نے اُس پر اعتراضات کئے اور یہ کہا جانے لگا کہ یہ ڈرامہ سارہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ وائلڈ یہ نہیں گوارا کر سکتا تھا کہ اُسے "ادبی مزدور سمجھا جائے جو دوسروں کی فرمائش پر انشا پردازی کرتا ہے خواہ وہ فرمائش سارہ برنہارٹ ہی کی ہو۔ چنانچہ اُس نے "لندن ٹائمس" کو حسبِ ذیل خط لکھا

جس کی ایک نقل اُس نے سارہ کو بھی بھیجدی۔ اس خط میں وہ لکھتا ہے :۔

"جنابمن! میری توجہ اُس ریویو کی طرف منعطف کرائی گئی ہے جو آپ کے اخبار میں گزشتہ ہفتہ شائع ہوا ہے۔ میری ایک فرانسیسی تصنیف پر انگریزی نقادوں کی تنقید بہت کم وقعت رکھتی ہے۔ میں آپ کو محض اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اس ریویو میں ایک غلط بیانی ہوگئی ہے اُس کی صحت ہوجائے یہ واقعہ کہ دور حاضر کی سب سے زیادہ مشہور ٹریجک ایکٹرس کو میرے اس ڈرامہ میں اتنا حسن نظر آیا کہ وہ اُس میں ہیروئن کا پارٹ کرنے، پوری نظم کو اپنی شخصیت سے منور کرنے اور میری نثر کو اپنی بانسری کی سی موسیقی عطا کرنے کے لئے بیتاب ہوگئی، میرے لئے فخر اور مسرت کا باعث تھا اور رہیگا اور مجھے اس بات سے بہت مسرت ہوگی کہ میڈیم برنہارٹ، پیرس میں جو آرٹ کا زبردست مرکز ہے اور جہاں مذہبی ڈرامہ کھیلے جاتے ہیں میرے ڈرامہ کو پیش کریں۔ مگر میرا یہ ڈرامہ اس زبردست ایکٹرس کے لئے نہیں لکھا گیا تھا میں نے کبھی کوئی ڈرامہ کسی ایکٹر یا ایکٹریس کے لئے نہیں لکھا اور نہ میں کبھی ایسا کرونگا۔ یہ کام ادبی مزدور کا ہی نہ کہ ایک نقاش کا۔

نادرات

اس حد تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ صرف وائلڈ کی سیرت اور سارہ کے ساتھ اس کے غیر معمولی شغف کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کی ادیبانہ ندرت و ذہانت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

وائلڈ اپنے طرز بیان کے لحاظ سے ایک مخترع و موجد کی حیثیت رکھتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ یوروپ کی تاریخ ادبیات میں کوئی دوسرا شخص اس کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ آرٹ کا صحیح ذوق اور اسی کے ساتھ قوتِ نقد۔ ان دونوں کے امتزاج نے اس کے لٹریچر میں ایسی دلکشی پیدا کردی ہے جو دوسری جگہ نظر نہیں آتی اور غالباً بے محل نہ ہوگا اگر اس کی چند مثالیں قارئین نگار کے سامنے پیش کردی جائیں :۔

محبت کا راز، موت کے راز سے زیادہ عظیم الشان ہے

عورتیں اس لئے بنی ہیں کہ اُن سے محبت کی جائے، نہ اس لئے کہ اُن کو سمجھا جائے

دنیا میں معصومیت سے قریب تر کوئی چیز اگر ہے تو صرف حماقت

سوالات میں کبھی حمق نہیں پایا جاتا، لیکن جوابات اکثر احمقانہ ہوتے ہیں

مرد زندگی کو بہت جلد جان لیتے ہیں اور عورتیں بہت دیر میں۔ یہی فرق ہے مرد و عورت کا

اگر کوئی خاتون اپنی غلطیوں میں دلکشی پیدا نہیں کرسکتی تو وہ صرف عورت ہے

دُنیا کے بدترین کام ہمیشہ بہترین نیت کے ساتھ کئے جاتے ہیں

ایک بات صرف اس بنا پر صحیح قرار نہیں دیجا سکتی کہ کسی نے اس کے لئے جان دیدی ہے

ہم کرتے ہیں غلطیاں اور اس کا نام رکھتے ہیں "تجربہ"

انسان کی تکمیل اس میں نہیں کہ وہ کیا رکھتا ہے بلکہ اس میں کہ وہ کیا ہے

عورتوں کے سامنے کوئی فلسفۂ حیات نہیں ہے۔ وہ جذبات پر جیتی ہے اور صرف جذبات کے لئے۔

جب تک جنگ کو بُرا سمجھا جاتا ہے اسکی دلکشی ہمیشہ باقی رہیگی، لیکن اگر ہم اسے ذلیل سمجھنے لگیں تو آپ ختم ہوجائے

اگر کوئی شخص اچھا گانا گاتا ہے تو لوگ سنتے نہیں اور جب کوئی برا گاتا ہے تو بولتے نہیں۔

وہ لوگ جو زندگی میں صرف ایکبار محبت کرنے کے قایل ہیں، نہایت سطحی لوگ ہیں۔ جس چیز کو وہ وفاداری و استواری سے تعبیر کرتے ہیں اسے میں ذہانت کا فقدان کہتا ہوں۔

گلاب کے پھول کو دور سے دیکھ کر مسرور ہونا اس سے بہتر ہے کہ خوردبین کے نیچے رکھکر اس کا مطالعہ کیا جائے۔

یہ شخصیتیں ہی ہیں جو زمانہ کو ہلا دیتی ہیں نہ کہ اصول

انسانوں کی تفریق میں یہ کہنا کہ فلاں نیک ہے اور فلاں بد، مہمل سی بات ہے۔ انسان دلچسپ ہوتا ہے یا غیر دلچسپ

بعض گانے والے بھی عجیب بیوقوف ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی وقت جبکہ ایک شخص بہرا ہوجانے کی آرزو کرتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ یہ گونگا بن جائے۔

اس عورت پر کبھی بھروسہ نہ کرو جو اپنی عمر صحیح صحیح بتا دے، کیونکہ ایک عورت جو یہ کہہ سکتی ہے وہ کچھ نہیں چھپا سکتی۔

ماضی بھی غیر اہم چیز ہے اور حال بھی۔ کیونکہ ماضی نام ہے اس کا جو لوگوں کو نہ ہونا چاہئے تھا اور حال اُس کا جو نہ ہونا چاہئے۔ اصل چیز مستقبل ہے اور اسی سے ہم کو واسطہ رکھنا چاہئے کیونکہ وہ آرٹ ہے اور آرٹ کی دُنیا۔

آجکل ہر شخص ہوشیار ہے اتم کوئی جگہ ایسی نہیں ڈھونڈھ سکتے جہاں کسی نہ کسی ہوشیار سے تصادم ممکن نہ ہو۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ امنِ عام میں خلل ڈالنے والی چیز کوئی اور ہو سکتی ہے

ایک انسان کے لئے اس احساس سے زیادہ خطرناک بات کوئی اور نہیں کہ وہ اسوقت تک ہمیشہ سچ ہی بولتا رہا ہے

جس چیز کا نام عدمِ صداقت ہے وہ ذریعہ ہے ہمارے لئے اپنی شخصیت میں تعدّد پیدا کرنے کا

ایک معبد میں ہر چیز کو سنجیدہ ہونا چاہئے سوائے اس کے جس کی پرستش مقصود ہے۔

ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں تمام غیر ضروری چیزیں ضروریات میں داخل ہو گئی ہیں۔

سوسائٹی ایک مجرم و خطاکار کو بخش سکتی ہے لیکن اسے معاف نہیں کر سکتی جو صرف خیالی پلاؤ پکایا کرتا ہے

مصیبت سے ہمدردی کرنا آسان ہے لیکن خیال سے ہمدردی کرنا بہت دشوار ہے

دُنیا میں سب سے زیادہ خطرناک عورت وہ ہے جس سے ہم کبھی سیر نہ ہوں

خلوص ہر حال میں بُرا ہے۔ جب تک تھوڑا ہے خطرناک ہے اور بڑھ جائے تو مُہلک۔

وقت کی پابندی، وقت کی چوری کرنا ہے

اگر اُپیج خطرناک نہیں ہے، تو اُپیج کہلانے کے قابل ہی نہیں ہے

جب کوئی عورت دوبارہ شادی کرتی ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ پہلے شوہر سے متنفر تھی اور مرد جب دوسری شادی کرتا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ پہلی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ اس لئے عورت کا دوسری شادی کرنا قسمت آزمائی ہے اور مرد کا خطرہ میں پڑنا۔

مرد چاہتا ہے کہ وہ ایک عورت کی اولین محبت کا ہدف قرار پائے یہ اس کا انتہائی بھدا پندار ہے۔ عورت مرد کا آخری رومان بننا چاہتی ہے۔ اور یہ اس کی انتہائی بلند ذہانت ہے۔

ہماری سوسائٹی کو جُرم سے اتنا نقصان نہیں پہونچتا جتنا مُجرم کو سزا دینے سے

ایک شادی شدہ مرد کی مسرت کا انحصار ان عورتوں پر ہے جن سے اس نے شادی نہیں کی

دُنیا کو دُنیا بنایا ہے بیوقوفوں نے لیکن اس میں بسنے کے دعویدار ہیں عقلمند لوگ

انسان بجائے خود ایک تکمیل ہے

ادبیات و صحافت میں کیا فرق ہے؟ صرف یہ کہ اُسے کوئی پڑھتا نہیں اور یہ پڑھنے کے قابل نہیں۔

ایک متقی وگنہگار میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ ماضی میں زندگی بسر کرتا ہے اور یہ مستقبل میں

عورتیں صرف تصویر ہیں اس لئے اُن سے لطف اُٹھانے کی صورت یہ ہے کہ انھیں صرف دیکھو اُن کی سنو نہیں

میں بہیمانہ قوت کا تو متحمل ہو سکتا ہوں لیکن بہیمانہ استدلال میری برداشت سے باہر ہے

خوبصورت عورتوں کے بدصورت شوہر حقیقتاً مجرم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں

سوائے بھلا دئے جانے کے۔ بھولا دینے سے زیادہ دلکش کوئی چیز نہیں

لندن میں دو ہی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ کُہر یا سنجیدہ لوگ۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہ کُہر نے سنجیدہ لوگ پیدا کئے ہیں یا سنجیدہ لوگوں نے کُہر پیدا کیا ہے۔

شادی کی یہ خصوصیت کس قدر عجیب ہے کہ وہ مکر و فریب کی زندگی کو دونوں کے لئے ضروری بنا دیتی ہے

تعلیم اچھی چیز ہے، لیکن کبھی کبھی اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ دُنیا کی کوئی چیز جو واقعی سیکھنے کے قابل ہے کبھی سکھائی نہیں جا سکتی

انتہائی حماقت کا کام وہی ہے جو انتہائی شریفانہ جذبہ سے متعلق ہوتا ہے

جھوٹ کا مقصود صرف دلکشی و مسرت پیدا کرنا ہے۔ اس لئے ایک جھوٹا انسان مہذب سوسائٹی کی بنیاد ہے

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حُسن سطحی چیز ہے۔ لیکن غالباً اس قدر سطحی نہیں جتنا اُن کا خیال

تجدیدِ شباب کی تدبیر صرف یہ ہے کہ انسان اپنی جوانی کی حماقتوں میں پھر مبتلا ہو جائے۔

کتابوں کے متعلق یہ رائے دینا کہ وہ اخلاقی ہیں یا غیر اخلاقی بالکل مہمل بات ہے۔ ان کے متعلق صرف یہی تنقید ہو سکتی ہے کہ وہ اچھی لکھی گئی ہیں یا بُری۔

میں انتخاب کرتا ہوں :-

اپنے دوستوں کا ان کی خوبصورتی کے لحاظ سے

اپنے ملاقاتیوں کا ان کے حُسنِ سیرت کے لحاظ سے ——— اور

اپنے دشمنوں کا اُن کی ذہانت کے لحاظ سے

میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ میں وہاں پاکیزگی اخلاق پاؤں جہاں مجھے اس کے وجود کی توقع ہی نہ ہو۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے ریشم ہاتھ میں لوں اور دفعتاً سوئی چبھ جائے۔

اگر ہمارے اخلاق پاکیزہ ہیں تو ہمیں لوگوں کو آگاہ کر دینا چاہئے

کہنے کے قابل حقیقتاً وہی چیزیں ہوتی ہیں جنھیں ہم بھُلا دیتے ہیں

جس طرح بعض لوگ صرف آنسو چھپانے کے لئے ہنستے ہیں اسی طرح بعض ایسے بھی ہیں جو اپنا جہل چھپانے کے لئے دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں۔

صدائے بازگشت اکثر و بیشتر اصل آواز سے زیادہ دلکش ہوتی ہے

عورتیں اپنے کان کے بھروسہ پر محبت کرتی ہیں اور مرد اپنی آنکھوں کے اعتماد پر ——— اگر مرد واقعی کبھی محبت کرتا ہے

خوبصورت ہونا نیک ہونے سے بہتر ہے، لیکن بدصورتی کے مقابلہ میں بہتر ہونا ہی غنیمت ہے۔

وہ بدنصیبیاں جو خارج سے لاحق ہوتی ہیں برداشت ہو سکتی ہیں، لیکن خود اپنی ہی غلطیوں کو بھگتنا سخت نیش ہے۔

اپنے دوست کے مصائب پر ہمدردی کرنا تو معمولی بات ہے، ہر شخص کر سکتا ہے، لیکن اسکی کامیابیوں سے ہمدردی کرنا بہت بلند فطرت کا کام ہے۔

وہ شخص جو شادی کرنا چاہتا ہے، اُسے یا تو سب کچھ جاننا چاہئے یا کچھ نہیں۔

کسقدر افسوسناک بات ہے کہ زندگی کے سبق ہمیں اسوقت ملتے ہیں جب وہ ہمارے لئے بیکار ہوتے ہیں۔

نوٹس مطابق قانون جدید

نمبر مقدمہ ۵۱/۷ سنہ ۱۹۳۶ء

بعدالت اسپشل جج درجہ دوم گورکھپور

۱۔ گنگا بخش۔ مدرت پسران گیتار ستوار۔ کیدار۔ کملا پسران مہادیو ستوار۔ مسماۃ رج رانی زوجہ کیدار۔ دیونراین ولد گنگا بخش۔ نریندر بہادر نابالغ ولد کیدار بولایت کیدار۔ اودھ بہاری نابالغ ولد کملا بولایت کملا۔ ساکنان موضع بھسول ٹپہ محسن پرگنہ انول ضلع گورکھپور۔ سائلان

ہرگاہ سائلان نے درخواست دفعہ ۴ ایکٹ ۲۵ سنہ ۱۹۳۴ء عدالت ہذا میں ذریعہ جناب کلکٹر صاحب بہادر ضلع گورکھپور گزرانی ہے اور منجانب اپنے بیان تحریری حسب دفعہ ۸ قانون مذکور عدالت ہذا میں داخل کر دیا ہے لہذا جملہ اشخاص کو جن کا کوئی پرائیوٹ قرضہ ڈگری شدہ یا غیر ڈگری شدہ متذکرہ سائل/سائلان کی ذات و جائداد کے خلاف ہوئے وہ اندر تین ماہ تاریخ شایع ہونے گزٹ سے اپنا بیان تحریری نسبت اپنے قرضہ کے داخل کریں ورنہ کوئی عذر بعد میں قابل سماعت نہ ہوگا اور درخواست بغیر حاضری قرضخواہان ایکطرفہ مسموع اور فیصل ہوگی۔

بحکم

آر۔ ڈی۔ ورما

منصرم عدالت